کڑے تھے دِل کے موسم

ایم سُلطانہ فخر

"ارے نہیں نہیں۔ ایسا غضب بھی نہ کرنا خرم! ہرگز ہرگز دروازہ نہ کھولنا" عمیر نے خرم کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کہا۔

"اوہ چھوڑو میرے ہاتھ عمیر! تم تو انسانیت سے ہی ایک دم خارج ہوگئے ہو بھلا اس طوفانی موسم میں کوئی مصیبت زدہ باہر کھڑا تم سے مدد مانگ رہا ہے اور تم"

"وہ کوئی مصیبت زدہ نہیں ڈاکو ہوگا یا کوئی بد روح۔ خدا کے لیے خرم اپنی نہ سہی تو میری جان پر ہی رحم کر!"

"خوف و دہشت نے تمہارا دماغ ناکارہ کردیا ہے ورنہ اگر وہ کوئی ڈاکو ہوتا تو اب تک گولیوں سے دروازہ چھلنی کرکے اندر آچکا ہوتا اور بد روح یا بھوت پریت کو تو اتنی مشقت کرنی ہی نہیں پڑتی۔ وہ تو دیواروں سے راستہ بنا کر اندر آجاتیں۔ دیکھو کوئی کس بری طرح دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔ میں نے دروازے کی جھری سے دیکھ لیا ہے۔ وہ جو کوئی بھی ہے اکیلا ہے۔ دیکھو اب مجھے غصہ نہ دلاؤ اور میرے ہاتھ چھوڑ دو۔" اس کے ساتھ ہی خرم نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔

"اونہہ! جیسے بڑے تیس مار خاں ہو۔ اتنا گھپ اندھیرا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا۔ اس پر طوفانی بارش اب اگر کسی نے اندر گھستے ہی تمہاری گردن دبوچ لی تو..." "مگر اس تو... کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور کوئی اوندھے منہ دروازے کے بیچوں بیچ آگرا۔" خرم نے سراسیمہ ہوکر انگلش میں کہا۔

"دیکھا تم نے یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا؟"

"ارے بھائی! تم مجھے کیوں الزام دے رہے ہو اگر کوئی روح ووح ہوتی تو تجھے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑ جائے گی۔"

"فضول باتیں نہ کرو عمیر! اور ذرا اندر سے میری ٹارچ لے آؤ کیونکہ یہاں تو اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر ہی نہیں آرہا۔" خرم نے کہا۔

"ہاں صاب جی! میری لال ٹین میں ہی تیل ختم ہوگیا ہے۔ کسی طرح جل کر ہی نہیں دے رہی۔"

"بھئی مجھے چوروں اور ڈاکوؤں سے اتنا ڈر نہیں لگتا

قریب ہی کہیں سے چوکیدار کی آواز آئی تو عمیر ڈر کر خرم سے چمٹ گیا۔ چونک تو خرم بھی گئے تھے مگر

انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

"لاحول ولا' یہ کیا حماقت ہے عمیر! ہٹو پرے میں خود اندر سے ٹارچ لے کر آتا ہوں۔"

جتنا کہ جنوں اور بدروحوں وغیرہ سے لگتا ہے۔"

"بس تو پھر اپنی خیر مناؤ' یہاں تو سارے آثار ہی ایسے نظر آرہے ہیں۔"

"ہیں؟۔" عمیر اتنا ہی کہہ سکا' کیونکہ خرم جو چاروں طرف ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے چل رہے تھے' تو دروازے کے نزدیک آتے ہی ٹھٹھک کر ان کے منہ سے نکلا۔

"ہائیں! یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے' نہ وہ بڈھا ہے اور نہ وہ۔"

"بھئی۔" عمیر نے کانپتی آواز میں ان کا فقرہ پورا کیا۔

"کمال ہے' مگر وہ دونوں آخر گئے کہاں؟۔" خرم بھی تعجب کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔

"جائیں گے کہاں' بس غائب ہو جانے والی چیزیں تھیں غائب ہو گئیں۔ میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ شبدہ خان میں کچھ سمایا ہوا ہے۔ مگر تم میری بات مانتے ہی کب ہو' اب بھاگ لیے ناں دونوں۔"

"نہیں صاحب جی میں یہاں ہوں ادھر' یہ آنے والا بھی ادھر ہی ہے میرے پاس۔"

وہ لاؤنج تھا یا بند برآمدہ اس کے ایک کونے سے اچانک چوکیدار کی آواز آئی تو عمیر کی تو گھگھی بندھ گئی اور پھر خرم سے چمٹ گیا۔ اس مرتبہ تو خرم کو بھی جھرجھری سی آگئی تھی اس کے باوجود انہوں نے سخت کوفت کے عالم میں عمیر کو ڈانٹا۔

"بی ان یور سینسس عمیر! بزدلی کی بھی انتہا ہوتی ہے اگر تمہیں اتنا ہی ڈر لگ رہا ہے تو تم کمرے میں چلے جاؤ۔" خرم نے یہ فقرے انگلش ہی میں کہے تھے۔

"واہ یہ خوب کہی کہ میں اندر چلا جاؤں جیسے کہ میں فالتو ہی تو ہوں۔" عمیر اردو میں منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ اسی اثناء میں خرم نے ٹارچ کی روشنی کو آگے کچھ فاصلے پر ڈالا تو ایک کونے میں چوکیدار کھڑا نظر آیا

جب کہ گرنے والا جوں کا توں اوندھے منہ فرش پر پڑا نظر آیا۔

"وہ بارش کا پانی اندر آرہا تھا' اس لیے میں اسے گھسیٹ کر ادھر کونے میں لے آیا ڈاکٹر جی۔" چوکیدار نے بتایا۔ اس نے خرم کو ڈاکٹر جی کہا تھا' متعجب ہونے کے باوجود خرم نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ اسے کیسے معلوم ہوا کہ وہ ڈاکٹر ہیں' بلکہ انہوں نے چوکیدار کے قریب جا کر اوندھے منہ پڑے ہوئے شخص پر روشنی ڈالتے ہوئے چوکیدار سے کہا۔

"تم نے ہمدردی میں اسے بارش سے تو بچا لیا مگر اس طرح اوندھے منہ گھسیٹ کر لانا تو کوئی اچھی بات نہیں ہوئی۔" ان کے لہجے میں ناگواری شامل تھی۔

"بس جی غلطی ہو گئی جناب!" چوکیدار بولا۔ وہ خاصی صاف اردو بول رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ اب ذرا سہارا دے کر اس شخص کو سیدھا تو کرو شبدہ خان۔" خرم نے چوکیدار سے کہا اور پھر عمیر کو ٹارچ تھماتے ہوئے بولے۔

"لو۔ ذرا خود کو سنبھال کر ٹارچ اس شخص پر ڈالو' ڈونٹ گیٹ اسکیرڈ (اب ڈرنا نہیں)۔"

تو عمیر نے یا حافظ یا ناصر پڑھتے ہوئے ٹارچ کی روشنی اسی شخص پر مرکوز کر دی۔ خرم نے شبدہ خان کی مدد سے اس شخص کو سیدھا کیا اور اس کے چہرے پر لپٹی ہوئی چادر ہٹائی تو عمیر جو اسی خیال سے ڈر کے مارے کہ چادر ہٹتے ہی کوئی ہیبت ناک چہرہ نظر نہ آئے۔ ٹارچ بند کرنے ہی والا تھا اور اب تک منہ ہی منہ میں یا حافظ یا ناصر کا ورد کیے جا رہا تھا' چادر سے برآمد ہونے والے چہرے کو دیکھ کر کچھ دیر کو پلک جھپکانا بھول گیا۔ اور ڈاکٹر خرم بھی مبہوت سے رہ گئے۔ کہ وہ کوئی نوخیز دوشیزہ تھی۔

اجلی رنگت

حسین اور پرکشش چہرہ

بند غلافی پپوٹوں کے اختتام پر جھکاؤ پر گھنیری پلکیں۔

ستواں ناک اور ناک میں ننھی سی ہیرے کی کیل

ڈاکٹر خرم نے عمیر کے ہاتھ سے ٹارچ لے کر نزدیک سے اس دوشیزہ پر ڈالی۔

اس کی پیشانی سے خون رس رہا تھا' اور کانوں کے قریب اور تھوڑی کے پاس بھی چند خراشیں نظر آرہی تھیں۔ ڈاکٹر خرم نے اس کی نبض دیکھی۔ ہلکے سے اسے ہلایا جلایا پھر پر تشویش انداز میں بولے۔

"اوہ! کافی انجرڈ (زخمی) ہے اور ان کونشس (بے ہوش بھی)۔"

پھر وہ شبدہ خان سے مخاطب ہو کر بولے۔

"یہاں کوئی خالی کمرہ ہو گا شبدہ خان۔"

"ہاں ہے تو آپ کے کمرے کے بغل والا کمرہ پر بہت چھوٹا ہے اور بالکل خالی پڑا ہے اس میں تو لائٹ بھی نہیں لگی ہوئی۔"

"اوہ! یہ تو مسئلہ ہو گیا۔" خرم نے زیر لب کہا اور پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد انہوں نے چوکیدار سے کہا۔

"شبدہ خان کوئی چارپائی ہو گی؟۔"

"نہیں ڈاکٹر جی! بس میری ایک چھوٹی سی کھٹولی ہے جس پر میں سوتا ہوں۔"

"اچھا تو ایسا کرو شبدہ خان کہ وہ کھٹولی اٹھا کر یہاں لے آؤ' تاکہ اس لڑکی کو اس پر ڈال کر کمرے میں لے جایا جا سکے۔"

"ارے صاحب! آپ کھٹولی کی بات کیوں کر رہے ہیں اس لڑکی کو تو میں پیٹھ پر لاد کر آسانی سے اندر کمرے میں لے جا سکتا ہوں۔ آپ کے کمرے میں ناں۔"

اور پھر خرم کا جواب سنے بغیر اس نے لڑکی کو اٹھا کر پیٹھ پر لادا اور سیدھا خرم والے کمرے کا رخ کیا۔

"دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ ہی از سم تھنگ اور میرے خیال میں لڑکی بھی اس کی ساتھی لگتی ہے جب ہی تو ذرا سا کراہی تک نہیں اور چپ چاپ اس کی پیٹھ پر لد گئی۔" عمیر نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

"ارے نہیں کہہ تو دیا کہ شی از ان کونشس (وہ بے ہوش ہے) ورنہ اتنی آسانی سے تو کبھی۔"

"ارے چھوڑو یار! دونوں کی ملی بھگت لگتی ہے۔ یقیناً" دونوں نے بڑے خوبصورت انداز میں تمہیں بے وقوف بنانے کے لیے یہ ڈرامہ کھیلا ہے۔

ورنہ ذرا سوچو تو اس جوان لڑکی کا تنہا اتنے خطرناک موسم میں آ کر دروازہ کھٹکھٹانا اور چوکیدار کی پہلے سے وہاں موجودگی۔

ہمارے جاتے ہی لڑکی کو گھسیٹ کر کونے میں لے جانا' اور اب پیٹھ پر لاد کر کمرے کا رخ کرنا' ورنہ دیکھنے میں تو یہ دبلا پتلا اور نحیف و نزار شخص ایکدم پتے کی ہوائی ہی لگتا ہے کہ پھونک مارتے ہی اڑ جائے۔"

خرم عمیر کے اندازوں کے دل ہی دل میں قائل سے ہو گئے تھے مگر انہوں نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا' اور ٹارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے شبدہ خان کے پیچھے اپنے کمرے میں چلے آئے۔ جب کہ شبدہ خان کب کا کمرے میں پہنچ کر لڑکی کو پلنگ پر لٹا چکا تھا۔

"لو بھئی' اب یہ ایک اور بھتنی گلے پڑ گئی یعنی اب یہ ہمارا کمرہ روحوں اور چڑیلوں کا مسکن بن جائے گا۔" عمیر جزبز سا ہو کر دھیمی آواز میں بولا۔

"افوہ بھئی' کیسی فضول باتیں کرتے ہو۔ میں تو کمرے میں موجود ہوں گا۔ چلو تم بے فکر ہو کر سو جاؤ۔"

"ہیں تو کیا تم ساری رات سرہانے کھڑے ہو کر اس کی چوکسی کرتے رہو گے۔"

"ظاہر ہے۔ میں اسے اٹینڈ نہیں کروں گا تو پھر اور کون کرے گا تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ انجرڈ (زخمی) ہے۔ اس کی پیشانی سے اب تک خون رس رہا ہے۔ اسے ابھی تک ہوش بھی نہیں آیا ہے۔ اس کو فوری طبی امداد کی ضرورت ہے اور سوائے میرے اس کی یہاں کون مرہم پٹی کرے گا۔" خرم نے بڑی رسانیت سے عمیر کو سمجھایا۔

"واہ وہی مثل ہو گئی کہ چمار کو عرش پہ بھی بیگار' اب یہاں اس ویرانے میں بھی تمہیں مرہم پٹی کرنی پڑے گی۔"

"ہاں ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے اور اگر میں ڈاکٹر نہ بھی ہوتا تو بھی یہ میرا انسانی فرض ہوتا۔"

"اونہہ! انسانی فرض ہوتا' میں نے تو پہلے ہی تم کو

کتنا منع کیا تھا کہ یہ سرجری کا پیشہ نہ اپناؤ ورنہ خواب میں بھی لوگوں کے آپریشن کیا کرو گے۔ کمال ہے تین راتوں سے نہیں سوئے تم اور اس پر بھی یہ دم خم کہیں اس سفید بلا نے تم پر کوئی سحر تو نہیں کر دیا۔"

"نہیں صاب جی! اس بے چاری کو تو اپنا ہوش نہیں ہے۔ کوئی مصیبت کی ماری معلوم ہوتی ہے۔ یہ بھلا کسی پر کیا جادو کرے گی۔"

ایک دم اس کے قریب سے کہیں چوکیدار بولا تو خرم نے جو یہ سمجھ رہے تھے کہ چوکیدار لڑکی کو پلنگ پر لٹا کر باہر چلا گیا ہے عمیر کو ڈانٹا۔

"فور گاڈ سیک عمیر! اتنی گری ہوئی باتیں کرنے سے بہتر ہے کہ جلدی سے پڑ کر سو جاؤ۔"

عمیر ویسے ہی چوکیدار کی آواز سن کر دہل سا گیا تھا' خاموشی سے بنچ کی طرف بڑھا' اور اسے ٹٹولتا ہوا اس پر بیٹھ گیا۔ بنچ بہت پتلا سا تھا جس پر لیٹنا تو کجا بیٹھنا بھی مشکل ہو رہا تھا مگر وہ نیند کا ہمیشہ سے کچا تھا۔ اس پہ آج مشقت بھی بہت جھیلنی پڑی تھی۔ کچھ دیر تو بیٹھا جمائیاں لیتا رہا پھر بنچ پر آڑا ٹیڑھا پڑ کر سو گیا۔

* * * *

صبح کو خرم کے جگانے پر ہی آنکھ کھلی۔ ایک ہی کروٹ اور ایک ہی انداز میں سونے کی وجہ سے اس کا جسم اکڑ سا گیا تھا جس کی وجہ سے اٹھ کر بیٹھنے میں اس کو بڑی دقت ہوئی۔ مگر اٹھتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر کمرے کے واحد پلنگ پر پڑی جو خالی پڑا تھا' عمیر نے آنکھوں کو ملتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں بھئی وہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئی یا بقید حیات ہے؟۔"

"اسے ہوش آگیا ہے اور وہ خود چل کر گاڑی تک گئی ہے۔" خرم نے بتایا

"ہیں کیا مطلب؟۔" عمیر نے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

"مطلب یہی کہ وہ ہمارے ساتھ چل رہی ہے۔"

"وہ کیوں بھئی' کیا تمہارے نام اس نے عمر بھر لکھوایا ہے؟۔"

"بے ہودہ باتیں نہ کرو' شبدہ خان ٹھیک ہی کہہ رہا ہے کہ جوان لڑکی یہاں اس کے پاس تنہا کیسے رہے گی' آپ اپنے ساتھ ہی لے جائیں اور کہیں راستے میں اتار دیں تمہیں نے بھی سوچا کب۔"

"خیر تم جو بھی سوچو۔ میں ہرگز اس سے اتفاق نہیں کروں گا کیونکہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس حالت میں تم اسے سڑک پر ڈالنا ہرگز گوارا نہیں کرو گے بلکہ اپنے ساتھ ہی گھر لے جاؤ گے۔"

"ظاہر ہے آخر انسانیت اور ہمدردی بھی تو کوئی چیز ہے اور پھر ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض بنتا ہے کہ میں اسی کسمپرسی کے عالم میں اس کی مدد کروں۔"

"واہ جیسے سارے جہاں کا درد تمہارے جگر میں ہے اگر وہ عمر بھر کے لیے تمہارے سر پڑ گئی تو؟ تو کیا تم اسے خالہ جان کے پاس لے جاؤ گے۔"

"نہیں بھئی' امی کے پاس لے جانا کیا معنی' میں تو اسے شہر لے جا رہا ہوں' وہیں اسے بھی داخل کرا دوں گا۔"

"کیا اپنے ذاتی کلینک میں؟"

"نہیں۔ کسی سرکاری ہسپتال میں۔"

"مگر وہ خالہ جان تو تمہاری طرف سے سخت پریشان ہو رہی ہوں گی کیونکہ اطلاع کے مطابق مجھ سمیت تمہیں گزشتہ شب یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو' میں ابھی گھر پہنچ کر فون پر امی کو موسم کی خرابی کے بارے میں بتا دوں گا۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے کار کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ جو ریسٹ ہاؤس سے تھوڑے سے فاصلے پر کھڑی تھی۔

"اونہہ! بڑے تیس مار خان بنتے ہیں موصوف' جنگلوں میں گھومتے پھرتے ہو۔ بس وہیں سے تمہاری خوبصورتی پر یہ بلا تم پر فریفتہ ہو گئی ہے۔"

عمیر فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

خرم نے کار اسٹارٹ کر کے اسے شہر کے رخ موڑ لیا۔

ڈاکٹر خرم شہر کے بڑے سرکاری ہاسپٹل میں سرجن لگے ہوئے تھے۔ وہ آپریشنز کرنے میں بہت معروف رہتے تھے۔ اسی لیے اپنی اس بیوہ ماں کے پاس جانے کا کم ہی موقع ملتا تھا جو کھاریاں میں جہاں ان کا آبائی گھر تھا رہتی تھیں۔ ڈاکٹر خرم کو ان کے پاس جانے کا تین چار ماہ بعد ہی موقع ملتا تھا اور کبھی کبھی تو اپنی مصروفیت میں چھ چھ ماہ گزر جاتے تھے۔ اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا تھا والدہ سے ہر تیسرے چوتھے دن فون پر بات ضرور ہو جاتی تھی مگر ان دنوں ان کی والدہ کچھ علیل تھیں اور اسی روز وہ اپنے کزن عمیر کے ساتھ جو ان کے شہر آیا ہوا تھا اور ان کے ساتھ ہی رہ رہا تھا' اپنی والدہ سے ملنے جا رہے تھے۔

شام ہوتے ہوتے دونوں گھر سے نکلے تھے جب کہ گزشتہ دو روز سے آسمان ابر آلود ہو رہا تھا۔

صبح ہی سے گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ تیز ہوا کا جھکڑ بدلیوں کو ٹھیس لگاتا گزرتا تو ہلکا سا چھینٹا پڑ جاتا' سارا دن تو یہی عالم رہا تھا۔

پھر بھی طوفانی بارش کا تو دور دور تک امکان نہ تھا۔ شہر سے باہر نکلتے ہی جنگلات کا سلسلہ شروع ہوتا تھا جو کافی دور تک چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر خرم کو اپنا ایک کیس نمٹانے میں دیر ہو گئی تھی۔ اور عمیر نے تو کتنا کہا بھی تھا کہ اس وقت یعنی ایسے ناوقت جانے کی کیا ضرورت ہے' ایسا ہی ہے تو صبح تڑکے ہی روانہ ہو جائیں گے۔ مگر خرم نے چونکہ اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی اس لیے وقت اور موسم کی پروا کیے بغیر روانہ ہو گئے تھے۔

ابھی چند میل ہی چلے ہوں گے کہ بارش شروع ہو گئی جس نے کچھ دیر بعد طوفانی شکل اختیار کر لی' ایسی دھواں دار بارش کہ آگے کا راستہ نظر ہی نہ آتا تھا' دونوں کو معلوم تھا کہ کچھ فاصلے پر آگے جا کر ایک ریسٹ ہاؤس ہے' پتا نہیں کس نے اس مکان کو ریسٹ ہاؤس کا نام دیا تھا ورنہ وہ چھوٹی سی ڈبہ نما پرانی طرز کی بنی ہوئی عمارت تھی جس کی کھڑکیوں میں شیشے نہیں تختے جڑے ہوئے تھے اور جو صرف ایک اسٹور' ایک چھوٹے سے کمرے اور ڈربے نما کھولی پر مشتمل تھی۔ جس میں اس عمارت کا رکھوالا رہتا تھا۔

بہرحال اس وقت تو عمارت کے داخلی دروازے پر ہلکی پاور کا بلب جل رہا تھا جس وقت یہ دونوں اندر آئے تھے' شیدہ خان نے ان کے لیے دروازہ کھولا تھا اور اس رہائشی کمرے تک ان کی پذیرائی کی تھی جس میں یہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس نے ہی کمرے کا بلب جلایا تھا اور ان سے چائے پانی کے لیے پوچھا تھا مگر یہ دونوں چونکہ رات کا کھانا کھا کر روانہ ہوئے تھے اور ڈاکٹر خرم بے حد تھکے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے چائے پینے سے انکار کر دیا تھا۔ عمیر خود بھی کافی تھک گیا تھا' اصل میں وہ نیند کا بہت کچا تھا اور اس وقت رات کا ایک بج چکا تھا۔ کمرے میں پلنگ ایک ہی تھا۔

ڈاکٹر خرم نے سوٹ کیس سے بستر نکال کر پلنگ پر بچھا دیا تھا' بس اسی پر سکڑ سمٹ کر عمیر بھی ان کے ساتھ ہی سو گیا تھا اور یہ دروازے کو پیٹ ڈالنے کی واردات رات دو بجے کے بعد ہوئی تھی۔ بڑی دیر سے کوئی دروازہ کھٹکھٹائے جا رہا تھا' یوں جیسے دروازہ توڑنے کی کوشش کی جا رہی ہو' سب سے پہلے عمیر کی ہی آنکھ کھلی تھی۔ کیونکہ بقول عمیر اس کی چھٹی حس ہمیشہ بیدار رہتی تھی۔

کچھ دیر تک تو وہ یہی سوچتا رہا کہ خرم کو اٹھائے یا نہ اٹھائے کیونکہ وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ ڈاکو ہیں جو دروازہ توڑ رہے ہیں۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ خرم اس آواز سے اٹھ گئے ہیں اور دروازے کا رخ کر رہے ہیں تو اس نے انہیں بہت منع کیا کہ باہر نہیں جاؤ' اگر کوئی دروازہ توڑ بھی رہا ہے تو چوکیدار خود جا کر اس سے نمٹ لے گا' مگر انہوں نے عمیر کی ایک نہ سنی اور اٹھ کر تیزی سے باہر کا رخ کیا' عمیر بھی ان کے پیچھے لپکا اور ابھی انہوں نے کمرے سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ بجلی چلی گئی اور پورا ماحول تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

بہرحال رستہ بہت خستہ و خراب تھا۔ جگہ جگہ کیچڑ اور پانی جمع ہو گیا تھا اور پگڈنڈی اس کیچڑ اور پانی میں کہیں گم ہو گئی تھی۔ اسی لیے واپسی میں نہ صرف وقت ہوئی بلکہ دیر بھی ہو گئی۔

عمیر اگلی سیٹ پر بیٹھ کر بہت اپ سیٹ لگ رہا تھا۔ اس بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھا' ڈاکٹر خرم نے آہستہ سے اسے ٹوکا۔

"بار بار پیچھے مڑ کر دیکھنا کوئی اچھی بات تو نہیں۔"

"تم اگر اسے اپنے پاس بٹھا لیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا؟" عمیر بگڑے بگڑے انداز میں بولا۔

"کیوں بھئی وہ کیوں؟"

"بھئی مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے میری گردن دبوچ لی تو۔"

"پاگل نہ بنو۔ ڈرپوک کہیں کے۔" خرم نے اپنی مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"پاگل تو مجھے تم لگتے ہو کہ تم نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اس جنگل بیابان میں وہ بھی آدھی رات کو ایسے طوفانی موسم میں ایک جوان جہان لڑکی کا بھلا کیا کام' اماں کیا تم اخبار نہیں پڑھتے۔ آئے دن ایسی ہی سنسنی خیز خبریں چھپتی رہتی ہیں کہ آدھی رات کو ایک جوان لڑکی سڑک کے بیچ و بیچ کھڑی ہو کر لوگوں سے لفٹ مانگتی ہے اور جو لفٹ دیتا ہے' اس کا خون کر کے غائب ہو جاتی ہے۔"

عمیر نے اس انداز میں بات کو جما جما کر کہا جیسے خرم کو قتل کر کے ہی چھوڑے گا۔

"ارے نہیں' وہ تو یہ اخبار والے اپنے اخبار کی بکری کرنے کے لیے ایسی بے پر کی چھاپتے ہیں' اور تم جیسے ڈرپوک لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے ہی چھاپتے ہیں ورنہ یہ بے چاری ہمارا کیا بگاڑ لے گی' یہ تو زخمی اور خود ہمارے رحم و کرم پر پڑی ہے۔"

"لیکن اگر یہ گلے ہی پڑ گئی تو۔"

"تو تمہارا سر۔ اچھا۔ اب اپنی چونچ بند کر لو اور زیادہ میرا دماغ نہ چاٹو۔" خرم نے اس کے قیاس سے اکتا کر کہا۔

عمیر کچھ دیر تو زبان تالو سے لگائے بیٹھا رہا مگر جب اس رات میں نازل ہونے والی بلا کے بارے میں اس کا تجسس بڑھا تو اس نے کہا۔

"تم کہتے ہو کہ یہ چوکیدار سے ڈر گئی تھی' اس لیے ایک لفظ نہیں بولی مگر بعد میں تم اسے بہلا پھسلا کر یعنی محبت کے ایک دو بول سنا کر پوچھ تو سکتے تھے کہ آخر تم کون ہو اور تم پر ایسی کیا افتاد پڑی تھی کہ۔"

"اف وہ بھئی سب پوچھ لوں گا۔ پہلے تم ہاسپٹل تو پہنچ لینے دو۔" خرم نے بیزاری سے کہا۔

تب ہی پچھلی سیٹ سے کراہنے کی آواز آئی تو خرم نے پہلی بار گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

"ہوش آ گیا ہے شاید۔" انہوں نے سامنے راستے پر نظریں مرکوز کر کے کہا۔

"نہیں مگر تم تو کہہ رہے تھے کہ اسے ہوش آ گیا ہے اور وہ خود اپنے پیروں سے چل کر کار تک گئی ہے۔" عمیر نے ایک تیز نظر خرم پر ڈال کر کہا۔

"وہ تو میں نے یہ دیکھ کر کہ خواہ مخواہ ہی تمہارا دم نکلے جا رہا ہے تمہارا خوف دور کرنے کی غرض سے کہہ دیا تھا۔ ورنہ اس لڑکی کو چوکیدار اٹھا کر کار تک لایا تھا۔"

"اچھا تو تم جھوٹ بھی بولنے لگے۔"

"ہاں کیا کریں۔ کبھی کبھی تم جیسے جھلی ہو جانے والے لوگوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے جھوٹ بھی بولنا پڑتا ہے۔"

"تو گویا اب آیا ہے اسے ہوش۔" عمیر نے سر ہلاتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہاں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ بے ہوشی کے عالم میں منہ سے کراہ نکل گئی ہو۔ کل تم نے جلدی کر کے ایسے ہاتھ پیر پھلائے کہ میں اسٹیتھسکوپ رکھنا بھی بھول گیا۔ ویسے بھی اس کی نبض معمول کے مطابق نہیں تھی۔" خرم نے کہا۔

"تب تو ذرا کار روک کر دیکھ تو لو کہیں یہ آخری ہچکی نہ ہو۔" عمیر نے چبھتے انداز میں کہا۔

"تم خاموش ہی بیٹھے رہو تو بہتر ہے۔" خرم اس کی باتوں سے زچ ہو کر بولے۔

لڑکی اب ہولے ہولے کھانس رہی تھی اور اپنے ہاتھوں کو حرکت بھی دے رہی تھی۔ عمیر نے گردن گھما کر دیکھا اور آہستہ سے بولے۔

"لو بھئی بنوٹ۔ چلا رہی ہے تمہاری زخمیہ یعنی ہوش میں آگئی ہے اب کہیں یہ نہ ہو کہ کئی گز ہاتھ لمبے کرکے ہماری گردنوں کے گرد لپیٹ لے۔"

"بکواس نہ کرو۔ بے ہوش کہیں کے۔" خرم نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"خیر میری باتیں تمہیں ہمیشہ بکواس ہی لگتی ہیں مگر اب اسے ہوش آگیا ہے تو پوچھ ڈالو ناں اس کا حال احوال۔ آخر کچھ تو پتہ چلے ویسے بھی اگر ہاسپٹل میں تم سے کسی نے اس کے بارے میں پوچھ لیا تو پھر جواب میں بغلیں جھانکتے پھرو گے۔"

خرم نے عمیر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اصل میں وہ یہ سوچ رہے تھے کہ جب اس لڑکی کو ہوش آہی گیا ہے تو اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرانے کی کیا ضرورت ہے' کیوں نہ اسے اپنے کلینک لے جا کر اس کی مرہم پٹی کرکے اسے چلتا کر دیا جائے مگر عمیر پر تو اس سے لڑکی کے بارے میں جاننے کی دھن سوار تھی۔ خرم کو خاموش دیکھ کر اس سے رہا نہ جاسکا اس نے سیٹ پر گھوم کر لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سنو کیا تم بقائمی ہوش و حواس میرے سوالوں کا جواب دے سکو گی؟۔" اس طرز تخاطب پر خرم نے دانت بھینچ کر اسے ٹوکا۔

"یہ کیا شرافت ہے عمیر! تم تو کاٹ کھانے کو دوڑ رہے ہو۔ کیا تمہیں اخلاق سے بات کرنے کی تمیز نہیں۔"

"او اچھا بھئی سوری اجی سرکار عالیہ پردہ نشین خاتون محترم آپ کی خدمت میں کورنش بجالانے کے بعد دست بستہ عرض ہے کہ آپ جو گزشتہ شب سے ہمارے لیے معمہ بنی ہوئی ہیں تو کیا آپ حدود اربع کے ساتھ ساتھ محل وقوع سے بھی اس عاجز کو متعارف کرنے کے ساتھ اس بات پر روشنی ڈالنا پسند کریں گی کہ آپ آدھی رات کو اس طوفانی موسم میں اور جنگل بیابان میں جہاں جاتے ہوئے بڑے بڑے جی دار مرد بھی ڈرتے ہیں چہل قدمی کرنے کیوں نکلی تھیں۔"

"واہ واہ تم نے لفاظی کی انتہا کر دی عمیر! بس اب خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔"

خرم نے تالی پیٹ کر کہا ان کے لہجے میں ناگواری سی شامل تھی۔ مگر وہ خود بھی بہت متجسس ہو رہے تھے اس لیے انہوں نے پیچھے مڑ کر بڑی نرمی اور شائستگی سے پوچھا۔

"آپ کے ساتھ گزشتہ شب جو حالات پیش آئے تھے' میں ان کے بارے میں کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو زیادہ چوٹ تو نہیں آئی' میرا مطلب ہے آپ خود کو چلنے پھرنے کے قابل بھی سمجھتی ہیں۔" مگر وہاں انتظار کے باوجود جواب ندارد تھا۔

عمیر سے بھلا یہ خاموشی برداشت ہوتی۔ وہ چہک کر بولا۔

"اجی محترمہ! انہیں یہ زبان یار من ترکی والا معاملہ تو نہیں یعنی انہوں نے ابھی جو کچھ پوچھا ہے اسے آپ سمجھتی ہیں یا نہیں۔"

مگر ادھر خاموشی ہی طاری رہی "بھئی' میرے خیال میں تو سالم گونگی بڑپ کر رکھی ہے انہوں نے۔" جواب نہ ملنے پر عمیر جلے کٹے انداز میں بولا۔

"ارے بھئی اتنی جلدی کیا ہے' بعد میں پوچھ لینا انہیں ذرا اوسانوں میں تو آنے دو۔" خرم اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولے۔ "شاید رات کے ان دہشت زدہ واقعات سے جواب دینے کے قابل نہیں رہی ہے۔" انہوں نے دل میں سوچا اور کار کی رفتار مزید ہلکی کر کے انہوں نے پھر بڑی رسانیت سے پوچھا۔

"آپ اور کچھ نہیں تو صرف اتنا بتا دیں کہ آپ کو کہاں چوٹ آئی ہے۔"

"کوئی چوٹ ووٹ نہیں آئی' یہ محض ایکٹنگ کی جا رہی ہے کہ اپنی اصلیت چھپائی جاسکے۔"

عمیر نے جل کر انگلش میں کہا۔ اس کے باوجود بھی خرم نے پھر پوچھا۔

"دیکھیے گھبرانے یا خوف کھانے کی کوئی بات نہیں

میں یہاں شہر کے ایک ہسپتال میں ڈاکٹر لگا ہوا ہوں۔ آپ یہاں ہر طرح محفوظ ہیں۔ بے خوف ہو کر میری بات کا جواب دیجیے۔" مگر ادھر سے پھر کوئی جواب نہیں ملا۔

"کیا آپ واقعی گونگی ہیں۔" خرم تھوڑا چڑ کر بولے۔ لڑکی نے قدرے توقف کے بعد اثبات میں سر ہلا دیا۔

"لو میں نہ کہتا تھا کہ میرے اندازے سینٹ پرسینٹ درست ثابت ہوتے ہیں مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی گونگے لوگ بہرے بھی ہوتے ہیں لیکن یہ تو بخوبی سن سکتی ہیں کہیں رات کے واقعے میں ان کی زبان تو نہیں کٹ گئی۔ محترمہ ذرا اپنا منہ کھول کر تو دکھایئے۔"

عمیر نے لڑکی کی طرف جھکتے ہوئے کہا تو خرم نے جز بز سا ہو کر اس کے بازو پر اتنے زور کی چٹکی لی کہ وہ بلبلا اٹھا۔

"ہائے مر گیا۔ ہائے مر گیا۔ اف اف مر گیا۔"

عمیر اپنا بازو سہلاتا ہوا بولا۔

"اب سیدھی طرح بیٹھ جاؤ ورنہ یہاں راستے میں ہی تمہیں اتار کر چل دوں گا۔"

خرم نے دانت بھینچ کر کہا اور کار کی رفتار تیز کر دی۔ کچھ ہی دیر بعد ایک ہاسپٹل کی سیڑھیوں کے آگے انہوں نے کار روک دی۔

تھوڑی دیر وہ کچھ سوچتے رہے پھر دروازہ کھول کر باہر نکلے تو دیکھا وہ لڑکی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر خود ہی باہر نکل آئی ہے اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی ہے۔

"لو راستوں سے بھی واقف ہیں اچھی طرح میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تم بری طرح پھنس گئے ہو۔"

"اب تم مار کھاؤ گے اچھی طرح کبھی تو یہ تولہ بھری زبان تالو سے چپکا لیا کرو۔"

خرم نے بھنچی آواز میں کہا اور لڑکی کے پیچھے سیڑھیوں کا رخ کرنے لگے تو عمیر نے انہیں پھر ٹوکا۔

"ارے ارے تم کہاں چلے۔ پہلے دیکھ تو لو' موصوفہ کہاں جا رہی ہیں۔"

مگر خرم نے کچھ سنا ہی نہیں۔ قدم بڑھا کر لڑکی سے آگے چلنے لگے اور لڑکی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے کے بجائے وہ بائیں طرف مڑے تو لڑکی بھی بائیں سمت گھوم کر ان کے ساتھ چلنے لگی۔

وہ ایک بڑا سا ہال عبور کر کے ایک نو تعمیر عمارت میں پہنچے جس کا فرش اور دیوار تک شیشے کی طرح چمک رہے تھے' جہاں ایمرجنسی وارڈ سے متصل ڈیوٹی روم میں چند نرسیں اور زیر تربیت ڈاکٹرز بیٹھے تھے۔ وہ سب خرم کو دیکھتے ہی احتراماً کھڑے ہوئے اور انہیں سلام کیا۔

خرم نے ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر کو ایک نرس سے بلوایا اور اسے کچھ ہدایات دیں۔ ڈاکٹر نے ایک مڈوائف کو بلا کر کچھ سمجھایا اور لڑکی کو اس کے ساتھ باہر بھیج دیا اور وہ ڈاکٹر کو لڑکی کے بارے میں ہی کچھ بتاتے رہے پھر ڈیوٹی روم سے باہر نکل کر جس میں آئے جہاں برابر برابر کمرے بنے ہوئے تھے۔ چلتے ہی روم کے سامنے پہنچے تو ٹھٹھک کر رہ گئے۔ لڑکی اپنی چادر اتارے اپنے سیاہ لمبے اور گھنے بال کھولے دروازے کی طرف پشت کیے بیڈ پر بیٹھی نظر آئی۔ ایک نرس اس کے پاس کھڑی اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ تو یہی سمجھے تھے کہ کوئی مریضہ ہو گی مگر جو نرس اسے روم میں لائی تھی اس نے خرم کو دیکھتے ہی ان کے پاس آکر کہا۔

"سر! ہم نے آپ کی مریضہ کو یہ روم دے دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے مگر یہ روم کسی اور کے لیے ریزرو تو نہیں ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"نو سر! یہ تو جنرل داؤد کا ریزرو بیڈ ہے جو اتفاق سے خالی پڑا تھا۔"

نرس نے بتایا۔ وہ لڑکی ابھی تک اسی انداز میں بیٹھی تھی خرم دہلیز پر رک کر بولے۔

"سنیے۔" ان کی آواز پر وہ بری طرح چونک کر دروازے کی طرف گھومی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ

کھڑی ہوئی اور جلدی سے کرسی کی پشت پر پڑی اپنی چادر اٹھا کر اپنے گرد لپیٹ لی۔

انہوں نے بلیزر ہی کھڑے کھڑے کہا۔

"میں نے یہاں آپ کو ہر سہولت بہم پہنچانے کا بندوبست کر دیا ہے ابھی تھوڑی دیر بعد آپ کے زخم کو بینڈیج کر دیا جائے گا۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔" اتنا کہہ کر ڈاکٹر خرم واپس پلٹ گئے۔ باہر آ کر انہوں نے عمیر کو سخت کوفت کے عالم میں اپنے انتظار میں ٹہلتے پایا۔ خرم اس کے موڈ کو نظر انداز کر کے خاموشی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ عمیر بھی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا بڑے طیش کے عالم میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

خرم دانستہ کچھ نہیں بولے کہ ان کے بولنے پر تو وہ جھاڑ کا کانٹا بن کر ان کے چمٹ جاتا' البتہ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد عمیر نے چبھتے لہجے میں کہا۔

"جی میں نے کہا اب وہ اتنی خوب صورت بھی نہیں جس کے لیے آپ نے اتنے پاپڑ بیلے۔ اب وہاں جو انتظار ہو رہا ہو گا اس کا کیا کریں گے جناب۔"

"کرنا کیا ہے۔ ظاہر ہے اب تو کل ہی جا سکیں گے۔" خرم نے لاپروائی سے کہا۔

"ہوں تو کل چلو گے کیا شیوریٹی ہے بھلا۔"

"شیوریٹی کیسی؟ اب تو جانے کا موڈ ہے نہ وقت اور پھر آسمان بھی گھرا کھڑا ہے اگر راستے میں یہ طوفانی بارش ہو گئی تو۔"

"ہاں ویسے بھی دن کو سفر کرنے کے آپ عادی کہاں ہیں۔ رات میں سفر کرتے ہیں تو راہ میں ایسی ہی بلائیں گلے پڑ جاتی ہیں۔ یوں بھی میں آپ کے رگ و ریشے سے بخوبی واقف ہوں آپ یہاں صرف اس کی وجہ سے دھرنا دے کر بیٹھ رہیں گے۔ ویسے یاد رہے کہ وہ گونگی ہے۔" عمیر نے سخت ناگواری سے کہا۔

"آپ نہایت پراگندہ ذہنیت اور نامعقول ہیں جب ہی تو اتنے غلط انداز میں سوچتے ہیں۔"

"وہ تھینکس فوراً کو مپلیمنٹ ویسے بائی داوے

تم نے کیا سوچا ہے اس کے بارے میں میرا مطلب ہے آخر کب تک تم اسے ہاسپٹل میں رکھو گے۔"

"میں کیوں رکھنے لگا میں نے اپنا فرض نبھا دیا ہے یعنی اسے ایک محفوظ جگہ پر لا کر چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ یہاں سے کوئی راہ متعین کرے اور کہیں بھی جائے یہ اس کی مرضی۔"

"مگر تم ایک مرتبہ تو اس کی احوال پرسی کرنے ضرور جاؤ گے۔"

"ہاں کیونکہ یہ بہت ضروری ہے آخر میری وساطت سے تو وہ ہاسپٹل میں داخل ہوئی ہے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے۔"

"ہاں جو بات بھی ہے۔ اب تم ایک لفظ بھی اس کے بارے میں نہ پوچھنا۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ مجھے واہیات اور فضول باتیں زہر لگتی ہیں۔"

خرم نے نہایت ناگواری سے کہا تو ان کا موڈ دیکھ کر عمیر بھی خاموش ہو گیا۔

گھر پہنچتے ہی دونوں اپنے اپنے کمروں میں چلے آئے۔ اس قدر تھک گئے تھے کہ عمیر نے تو لباس بھی تبدیل نہیں کیا اور جاتے ہی پڑ کر سو گیا مگر خرم کو بستر پر لیٹنے کے باوجود دیر تک نیند نہیں آئی۔ اصل میں یہ ان کی عادت تھی کہ ان کے معمول یا پروگرام میں ذرا سا بھی فرق پڑ جاتا تو وہ اسی طرح بے آرام ہو جاتے تھے۔

وہ شہر کے ایک سرکاری ہسپتال میں سرجن لگے ہوئے تھے اور اس روز وہ اپنی والدہ سے ملنے کھاریاں جا رہے تھے۔ کھاریاں میں ان کی بیوہ ماں ان کی دونوں چھوٹی بہنوں اور بھائیوں کے ساتھ اپنے ذاتی مکان میں رہتی تھیں اور خرم ہر دوسرے تیسرے ماہ اپنی فیملی سے ملنے کھاریاں ضرور جاتے تھے کبھی کبھی چھٹیوں میں ان کی والدہ بہنیں اور بھائی جو سب کے سب زیر تعلیم تھے ان سے ملنے جہلم چلے آتے تھے۔ مگر ایسا اتفاق کم ہی ہوتا تھا۔ خرم اپنی آمد کی اطلاع پہلے سے فون پر اپنے گھر والوں کو دے دیتے تھے۔

اس روز بھی وہ دوپہر کو فون پر اپنی والدہ سے کہہ

چکے تھے کہ وہ عمیر کے ساتھ کھاریاں آ رہے ہیں۔ عمیر ان کا گہرا دوست ہی نہیں دور کے رشتے سے کزن بھی ہوتا تھا۔ عمیر کا ٹرانسفر اتفاق سے جہلم میں ہی ہوا تھا۔ وہ ایک نیم سرکاری تعمیراتی محکمے میں چیف آرگنائزر کی پوسٹ سنبھالے ہوئے تھا رہائش کا بھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ تو خود خرم نے اس کا کہیں اور قیام کرنا گوارا نہ کیا۔ ان کو ہاسپٹل کی طرف سے بنگلہ ملا ہوا تھا۔ انہوں نے بڑے اصرار سے عمیر کو اپنے بنگلے میں ٹھہرا لیا تھا۔

عمیر بے حد باتونی اور لاابالی طبیعت کا حامل تھا۔ اس کے مزاج میں مزاح کوٹ کوٹ کر بھرا تھا وہ مضبوط قوی اور فربہ اندام سا تھا جبکہ خرم نہایت بردبار سنجیدہ اور حساس طبیعت کے حامل تھے۔ چوڑے چکلے اور دراز قامت تھے' بڑے سمٹنگ سے وہ ان مردوں میں سے تھے جن پر اپنا کیریئر بنانے کی دھن سوار ہوتی ہے اور اس دھن میں وہ ہر احساس سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور جب اپنا کیریئر بنا لیتے ہیں تو اپنے کام میں انہیں کسی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں ملتی' جبکہ ان کی والدہ کی خواہش تھی کہ اب وہ جلد از جلد شادی کر لیں بلکہ انہوں نے ان کے لیے ایک اونچے گھرانے کی خوب صورت ماڈرن اور تعلیم یافتہ لڑکی بھی دیکھ رکھی تھی اور اس مرتبہ تو ان کے آنے سے پہلے ہی اس لڑکی سے انہیں ملوانے کے سارے انتظامات کر رکھے تھے اور خرم بھی اس بات سے تھوڑے تھوڑے باخبر تھے مگر وہ کسی بات کو بھی اپنے دماغ پر حاوی کرنے کے عادی نہیں تھے۔

سخت تھکان ہونے کے باوجود نیند نہ آنے کا سبب وہ گونگی لڑکی تھی عمیر کی باتوں کی روشنی میں وہ یہی سوچ رہے تھے کہ آخر شہری آبادی سے چودہ پندرہ میل دور اس جنگل بیابان میں وہ بھی آدھی رات کو اتنے طوفانی موسم میں وہ کہاں گھوم رہی تھی۔ کہاں کا سفر طے کر کے آئی تھی اور کیسے آئی تھی۔ اس کا پیدل چل کر آنا تو ممکن ہی نہ تھا انہیں تو وہ چوکیدار بھی مشتبہ سا لگ رہا تھا۔

عمیر کے بقول کہیں یہ ان دونوں کی ملی بھگت تو نہیں تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس چوکیدار نے اس گونگی لڑکی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے اسے ہمارے حوالے کیا ہو یا پھر ممکن ہے یہ لڑکی ایبنارمل ہو کیونکہ جن کا دماغی توازن درست نہیں ہوتا' انہیں کسی سے ڈر لگتا ہے نہ موسم اور وقت کی پروا ہوتی ہے۔ اس پر وہ گونگی بھی ہے حرکتیں بھی پاگلوں کی سی کرتی ہے۔

ہاسپٹل کے روم میں جا کر چادر اتاری اور بال کھول دیے اور مجھے دیکھتے ہی پھر جلدی سے چادر اپنے گرد لپیٹ لی ویسے اگر چوکیدار نے ایسا سوانگ رچانے پر اکسایا ہے تو اس سے میں اچھی طرح نمٹ لوں گا خیر اب شام کو اس کی طبی رپورٹ ملے گی تو معلوم ہو جائے گا اس کے ساتھ' کیا پرابلم ہے اگر ٹھیک ٹھاک ہوئی تو فوراً" اسے چلتا کر دوں گا یہی سب سوچتے سوچتے وہ کوئی تین بجے کے قریب سوئے تو عمیر کے جگانے پر ہی شام کو آنکھ کھلی جو بھوک کے مارے بلبلا رہا تھا۔

"واہ یار! تمہارے پیٹ میں تو چوہے اور بوڑھے اٹکے ہوئے ہیں مگر میرے پیٹ میں تو پانچ سو میٹر کی ریس لگا کر چوہوں نے بالکل صفایا کر دیا ہے۔ مجھو تین وقت سے میں نے نہیں کھایا۔"

"او ہو بھئی' تو اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت ہے طفیل کاکا سے کہا ہوتا کہ وہ تمہارا کھانا میز پر لگا دیتے۔"

خرم نے کسلمندی کا اظہار کرتے ہوئے دوسری طرف کروٹ لے کر کہا۔

"وہ تمہارے طفیل کاکا' وہ تو کہیں فرار ہو گئے۔ دور دور تک ان کا پتا نہیں۔ رحمت علی کو ان کی تلاش میں بھیجا تھا مگر وہ کہیں ملے ہی نہیں۔"

"او ہو تو پھر رحمت علی کو پیسے دے کر بازار سے کچھ منگوا لیا ہوتا۔"

"منگوایا تو تھا مگر رحمت علی نے یہ کہہ کر اس کی بیوی کو بہت اچھا کھانا پکانا آتا ہے۔ طفیل کاکا نے اسے

اچھی اچھی ڈشز بنانا سکھائی ہیں۔ پیسے واپس کردیے۔"

"اچھا مگر رحمت علی کی بیوی تو طفیل کاکا سے پردہ کرتی ہے۔ ہروقت گھونگھٹ نکالے رہتی ہے ان کے سامنے۔" خرم نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے متعجب سے انداز میں کہا۔

"ارے تو گھونگھٹ میں سیکھ لیا ہوگا۔ وہ پردے میں زردے لگا دہی حش ہوگی۔"

"نہیں بھئی' رحمت علی کی بیوی بڑی نیک اور غیرت والی ہے۔"

"اف بھئی' کس بحث میں پڑ گئے تم۔ چلو اٹھ کر جلدی سے اپنا حلیہ درست کرو۔ سیدھے کھانے کی میز پر چلو۔ معلوم بھی ہے رحمت علی کی بیوی نے مرغ مسلم اور چکن فرائڈ رائس تیار کیا ہے ہمارے لیے۔"

عمیر نے خرم کے پسندیدہ کھانوں کے نام لیے تو خرم چپ چاپ اٹھ کر غسل خانے چلے گئے اور تیار ہو کر باہر آئے تو عمیر کو کمرے میں نہ پا کر سیدھا کھانے کے کمرے کا رخ کیا۔

عمیر پہلے سے ہی کھانے کی میز کے آگے بیٹھا تھا۔ اصل میں خرم کو بھی سخت بھوک لگ رہی تھی اور جن کھانوں کے اس نے نام گنائے تھے۔ انہیں تناول کرنے کی غرض سے وہ بھی جلدی سے کرسی پر جا بیٹھے میز پر صرف دو ڈونگے رکھے تھے اور ایک چنگیر میں تازے پھلکے خرم نے دونوں ڈونگوں پر سے ڈھکنے اٹھائے تو ایک میں مونگ کی دال اور پالک اور دوسرے میں شوربے دار سادے آلو بھرے نظر آئے وہ سمجھ گئے کہ ان سے مذاق کیا گیا ہے۔ انہوں نے قہر آلود نظروں سے عمیر کو دیکھا مگر منہ سے کچھ نہ کہا۔ چپ چاپ اپنی پلیٹ میں تھوڑا سا دال پالک ڈالا اور کھانے لگے۔

تو عمیر نے اپنی پلیٹ میں آلو کی بھجیا ڈالتے ہوئے کہا۔

"اصل میں وہ جو کسی نے کہا ہے نا کہ بھوک میں تو کواڑ بھی پاپڑ ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی صبر و شکر کرکے کھانا پڑے گا۔"

"یہ تم اپنے لیے کہہ رہے ہو تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہو کیونکہ مجھے تو اگر نہیں بھی ملتا تو خدا کا شکر کرکے بیٹھ رہتا ہوں۔ لیکن تمہیں یہ کھانا بہت کھل رہا ہوگا' کیونکہ تم تو تین وقت کا کھانا جمع کرکے کھانے کے عادی ہو۔" خرم نے ہلکی سی مسکان کے ساتھ کہا۔

اصل میں بچپن سے ہی عمیر کی عادت تھی وہ اگر بیمار پڑتا اور اسے کھانا نہ ملتا تو صحت یاب ہونے کے بعد وہ اپنی پلیٹ میں تینوں وقت کا کھانا نکال کر کہتا کہ یہ ناشتے سمیت دونوں وقت کا کھانا ہے۔ جبکہ وہ اتنا کھاتا نہیں تھا اس پر اس کی والدہ کہتی تھیں کہ اسے تو ہوکا ہے ہوا ورنہ یہ اتنا کھاتا نہیں ہے۔"

"مگر یہ آخر طفیل کاکا گئے کدھر؟" خرم نے بدمزہ سالن کا نوالہ منہ میں رکھنے سے پہلے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ وہ رحمت علی تو یہ بتا رہا تھا کہ یہاں ان کا کسی سے افیئر چل رہا ہے شاید اسی سے ملنے گئے ہیں۔ یعنی ڈیٹنگ پر۔"

اس بات پر خرم کو اتنی ہنسی آئی کہ نوالہ چبانا مشکل ہوگیا کیونکہ طفیل کاکا ساٹھ کے پیٹے میں تھے۔ بیوی ان کی مرچکی تھیں دو بیٹیاں تھی وہ اپنے اپنے گھر والی ہوچکی تھیں۔ پرورہ ملازم تھے۔ خرم کی والدہ نے انہیں اس غرض سے خرم کے پاس بھیجا تھا کہ وہ خرم کے لیے کھانا پکائیں گے۔ گھر کی رکھوالی کریں گے اور خرم کی دیکھ بھال بھی۔

خرم کو اپنی ہنسی پر قابو رکھنے میں کمال حاصل تھا' اس لیے وہ اپنی ہنسی روک کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیوں کھڑے کیوں ہوگئے تم؟" عمیر نے نوالہ چباتے چباتے پوچھا۔

"ایک ضروری کام سے باہر جارہا ہوں' لیکن تم اطمینان سے کھانا کھاؤ۔" خرم نے بتایا۔

"تو بھلا یہاں تنہا بیٹھ کر یہ مرغن کھانا وہ بھی اطمینان سے کھاؤں۔ اب اتنا بھی فالتو نہیں ہوں۔ چلو میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔"

عمیر اٹھتے ہوئے بولا۔ خرم کھانے کے کمرے سے نکل اپنا کمرہ لاکڈ کرکے باہر آئے تو عمیر بھی ان کے پیچھے ہی آگیا۔

"تمہارا فون تو ڈیڈ پڑا ہے۔ اب کیا ٹیلی گرام سے خالہ جان بات کو اطلاع دو گے۔ وہ تو سخت پریشان ہو رہی ہوں گی تمہاری طرف سے۔"

عمیر نے کار میں بیٹھنے کے بعد انہیں یاد دلایا۔

"نہیں ہاسپٹل پہنچتے ہی سب سے پہلے انہیں ہی فون کرکے اپنے نہ آسکنے کا سبب بتادوں گا۔" خرم نے کہا۔

"اچھا تو گویا ہاسپٹل تشریف لے جارہے ہیں جناب۔"

"ہاں۔ اب تو شام ڈھل رہی ہے جبکہ مجھے زیادہ سے زیادہ ساڑھے پانچ تک تو پہنچ جانا چاہیے تھا۔"

"کیوں تم تو چھٹی پر ہو پھر بھلا تمہارا ہاسپٹل جانا ایسا کیا ضروری ہے۔" عمیر نے دانستہ چند را کر پوچھا۔

"کیونکہ امی جان کو فون کرنا ہے اور اپنے فون کی کمپلینٹ بھی کرنی ہے۔" خرم نے بتایا پھر کچھ توقف کے بعد بولے۔

"اور اس لڑکی کی رپورٹ دیکھنی ہے ٹھیک ٹھاک ہوئی تو آج ہی اسے چلتا کردوں گا۔"

"مگر اب تو رات ہونے والی ہے۔" عمیر نے کہا۔

"تو پھر کل صبح ڈاکٹر سے کہوں گا کہ اسے ڈسچارج کر دے اور اس سے کہہ دے کہ جہاں سے آئی تھی وہیں چلی جائے۔"

"ہاں یہ تم عقل مندی کرو گے۔" عمیر بولا۔ خرم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ ہسپتال میں کھڑے تھے۔ انہوں نے ڈاکٹر سے لڑکی کی طبی رپورٹ طلب کی اور اس سے کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر وہ اسی روم میں پہنچے جہاں اسے رکھا گیا تھا۔ لڑکی کی رپورٹ اطمینان بخش تھی۔ انہوں نے اس کے کمرے میں قدم رکھتے ہی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"لیجیے یہ آپ کی طبی رپورٹ بڑی اطمینان بخش ہے۔ اب آپ کو یہاں ہاسپٹل میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ بے فکر ہو کر اپنے گھر جاسکتی ہیں۔"

لڑکی کو گونگی ہونے کی وجہ سے جواب تو کیا دیتی مگر اس نے کوئی تاثر بھی نہیں دیا بلکہ اس نے اس بری طرح رونا شروع کیا کہ خرم کی حیرانی پریشانی میں بدل گئی کہ انہوں نے ایسی کون سی غلط بات کہہ دی کون سا ظلم کر دیا۔ اس کے گونگے پن کی وجہ سے اس کے رونے کا سبب بھی تو معلوم نہیں کرسکتے تھے۔ دل تو چاہا اسے یونہی روتا دھوتا چھوڑ کر چلے جائیں مگر اخلاق اور رواداری بھی تو آخر کچھ ہوتی ہے آخر انہوں نے اس کے یوں ہچکیوں ہچکیوں رونے کی وجہ پوچھی۔

"یہ آپ رو کیوں رہی ہیں؟ کیا میری کوئی بات ناگوار گزری ہے یا پھر یہاں آپ سے کسی نے زیادتی کی ہے' میرا مطلب ہے تکلیف دی ہے آپ کو؟"

مگر جواب تو کیا ملتا البتہ ہچکیوں اور سسکیوں میں مزید اضافہ ہوگیا۔

"دیکھیے' مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں۔ یہ جو آپ اس وقت دھواں دھار سا مظاہرہ کررہی ہیں' آخر رونے دھونے کا مطلب کیا ہے۔ اگر آپ نہیں بتائیں گی تو میں واپس چلا جاؤں گا۔" خرم نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس نے اپنے آنسو پونچھ کر جو بڑی تیزی سے رواں تھے۔ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اور شہادت کی انگلی اٹھا کر چھت کی طرف اشارہ کیا جس سے خرم صرف یہ اخذ کرسکے کہ اللہ ایک ہے یا پھر اللہ صرف اسی کا ہے۔ انہوں نے کچھ زیادہ ہی الجھ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہے اللہ تو ایک ہی ہے مگر آپ کو کچھ لکھنا بھی آتا ہے' میرا مطلب ہے کام چلانے کی حد تک ہی۔"

جواب میں لڑکی اپنی سسکیاں روک کر کچھ سوچتی رہی پھر اس نے گردن کو نفی کے انداز میں ہلا کر گویا اپنے جاہل مطلق ہونے کی تصدیق کردی اس کے

جواب پر خرم چکرا سے گئے اور جی تو چاہا اسے یونہی روتا دھوتا چھوڑ چل دیں مگر وہی ان کی خدا ترسی آڑے آگئی۔

"ہوں تو آپ کا کوئی گھر بار تو ہو گا جہاں سے آپ آئی ہیں۔"

انہوں نے نرمی سے پوچھا۔ لڑکی نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔ اس نہیں پر خرم کا دل چاہا اس سے پوچھیں کہ اب تک وہ کہاں رہتی آئی ہے۔ کیا یہ اتنی بڑی کم و بیش ساڑھے پانچ فٹ کی جنگل کے درختوں اور پہاڑی کھوہوں میں رہ کر آئی ہے مگر انہوں نے کہا۔

"دیکھو۔ تم یہاں ہسپتال میں تو رہ نہیں سکتیں، تمہیں ہر قیمت پر یہاں سے جانا ہو گا۔"

"ہاں اور یہ بھی سن لو کہ ہمارا کام صرف تمہیں ہسپتال تک پہنچانا تھا۔ اب تم جدھر منہ اٹھے چلی جاؤ سمجھیں۔" عمیر نے جو دیر ہو جانے پر کار سے اتر کر اندر آگیا تھا۔ پیچھے سے لقمہ دیا۔

"ہاں میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ یہ جہاں اب تک رہتی آئی ہیں وہیں چلی جائیں۔" خرم نے کہا مگر

جواب میں لڑکی تیزی سے قدم بڑھا کر خرم کے نزدیک آئی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ان کے قدموں پر جھک گئی اور اس کے ساتھ ہی اس نے بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔

"افوہ بھئی، یہ کیا تماشہ ہے۔ اب یہ ہاسپٹل کا سارا اسٹاف یہ نظارہ دیکھے گا تو بھلا کیا سوچے گا۔ عمیر تم تو بڑے قیافہ شناس اور سمجھ دار ہو۔ تم ہی ان سے پوچھو کہ آخر یہ کیا چاہتی ہیں۔" خرم نے اس لڑکی کی گریہ و زاری اور عجیب و غریب حرکت سے گھبرا کر عمیر سے کہا۔

"ہاں بھئی! تو تم کیا چاہتی ہو۔ آخر یہ اس طرح تمہارا رونا دھونا ہم پر بالکل اثر نہیں کرے گا۔ صاف صاف بتاؤ کہ آخر بات کیا ہے۔"

عمیر نے بڑے خاصے غصے کے عالم میں پوچھا۔ وہ بھی لڑکی کے رونے دھونے سے تنگ آگیا تھا۔ مگر لڑکی نے اس کی بات کا ہاں یا نا میں کوئی جواب نہیں دیا۔

بلکہ دونوں ہاتھ جوڑ کر خرم کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"ارے بھئی، نہ ہم بت پرست ہیں نہ یہ کوئی دیوتا وغیرہ جو تم ان کی چرنوں میں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی ہو۔"

پھر اچانک ہی اسے کوئی خیال آیا تھا، تو وہ خرم سے مخاطب ہو کر انگریزی میں بولا۔

"بہتر یہی ہو گا کہ اسے اسی چوکیدار کے پاس چھوڑ دو۔ اگر دونوں کی ملی بھگت نہ ہو گی تو وہ خود اس سے کچھ اگلوا لے گا۔ ہاں خواہ مخواہ یہاں اپنا تماشا تو نہ بنواؤ۔" خرم کو عمیر کی تجویز سے اتفاق ہی کرنا پڑا۔ انہوں نے آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے اردو میں کہا۔

"ہاں علیٰ ہذا القیاس تو چلو پھر انہیں وہیں لے چلتے ہیں۔"

لڑکی نے ہراساں ہو کر ہاتھ کے اشارے سے پوچھا۔

"کہاں؟ کہاں؟۔"

"وہیں تمہارے چچا جان کے پاس جس نے اپنی بلا ہمارے سر منڈھی ہے۔"

عمیر نے بتایا تو لڑکی پھسکڑا مار کر فرش پر بیٹھ گئی اور بآواز بلند اس بری طرح رونے لگی کہ اس کی آواز سن کر ایک نرس جو ہاتھ میں تھرما میٹر وغیرہ کی ٹرے لیے ہوئے تھی روم میں آگئی۔

"کیا ہوا لڑکی؟ تمہیں کیا ہوا۔" اس نے خرم یا عمیر سے پوچھنے کے بجائے لڑکی سے پوچھا۔

"ہاں سسٹر! تم ہی اس سے پوچھو کہ یہ اس بری طرح آنسو کیوں بہا رہی ہے۔" عمیر نے اس سے کہا تو وہ ٹرے لڑکی کے بیڈ پر رکھ کر خود بھی لڑکی کے پاس فرش پر بیٹھ گئی۔

"مگر اسے ہوا کیا ہے؟ یہ رو کیوں رہی ہے سر۔"

نرس نے عمیر سے پوچھا تو عمیر نے اسے صرف اتنا بتایا کہ وہ ہاسپٹل سے جانا نہیں چاہتی۔ ہم نے اس کو بتایا کہ یہ ڈسچارج کر دی گئی ہے تو اس نے رونا شروع کر دیا۔" نرس نے عمیر سے کہا۔

"سر! آپ کو ناگوار نہ گزرے تو آپ باہر چلے جائیں کیونکہ ممکن ہے میں اس سے پوچھوں اور یہ آپ کے سامنے کچھ نہ بتائے۔"

"مگر نرس یہ تو گونگی ہے۔ تمہیں کیا بتائے گی۔"

"اشاروں میں تو بتا دے گی سر! میری گونگی بھانجی بھی اشاروں میں بات کرتی ہے تو میں سمجھ جاتی ہوں۔"

"وہ تو اسے سائن لینگویج بھی آتی ہے۔" عمیر نے خرم سے کہا جو خاموش کھڑے تھے اور پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئے۔ باہر انہیں خاصی دیر انتظار کرنا پڑا۔ تب کہیں جا کر نرس برآمد ہوئی۔

"سر! وہ کہتی ہے کہ اس کا کوئی گھر در ہے نہ حالی موالی۔ وہ آپ کی پناہ میں آنا چاہتی ہے۔ کہتی ہے کہ آپ کے اور آپ کے گھر کے سارے کام کرے گی یعنی کھانا پکانا، برتن مانجھنا کپڑے دھونا جھاڑو پونچھا کرنا اور استری کرنا، میرا مطلب ہے، وہ آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہے۔"

"اچھا تم نے اتنی ساری باتیں اشاروں ہی اشاروں میں سمجھ لیں۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم یہ سب کس سے کہہ رہی ہو۔" عمیر کا اشارہ خرم کی طرف تھا۔

"یس سر! اچھی طرح معلوم ہے اور میں آپ سے سچ کہہ رہی ہوں کہ گونگی نے اشاروں میں یہی سب کہا ہے۔ میرے خیال میں آپ اسے ساتھ ہی لے جائیے اور اڑوس پڑوس میں کسی جگہ ملازم رکھوا دیجیے۔"

نرس نے یہ جانتے ہوئے اس کا بڑا افسر اس کے سر پر کھڑا ہے، اس کے سامنے بلا جھجک مشورہ دے دیا۔

"ہوں تو اب کیا خیال ہے جناب کا۔" عمیر نے آہستہ سے پوچھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا میں اس مصیبت کو اپنے سر ڈالوں گا۔ میں تو ہرگز ہرگز اسے اپنے ساتھ گھر نہیں لے جاؤں گا۔ یہ میری پرسٹیج کا معاملہ ہے سمجھے تم۔" خرم نے ایک طیش کے عالم میں کہا۔

"اوہو بھئی، موقع اور محل دیکھ کر تو بات کیا کرو، سوچو تو تم ہی اسے یہاں لائے تھے اور تمہارے ہی ساتھ یہ جانے کے لیے بضد ہے ایسا کرو، ان لوگوں کو دکھانے کے لیے اسے اپنے ساتھ لے چلو، ایسا ہی ہے تو راستے میں اسے کہیں اتار دیں گے۔" عمیر نے کھسر پھسر کرنے کے سے انداز میں کہا۔

نرس بھی ان کا فیصلہ سننے کے لیے کھڑی تھی۔ وہ اسے ڈانٹ کر وہاں سے بھگا بھی سکتے تھے۔ مگر مصلحتاً خاموش ہی رہے۔

ان کو رہ رہ کر اس پر غصہ آرہا تھا کہ اس نے ہسپتال میں رو رو کر ایسا چکر چلایا کہ نرس کے سامنے ان کی پوزیشن آکورڈ ہو کر رہ گئی۔

وہ ان کے لیے سانپ کی چھچھوندر ثابت ہوئی کہ اگلتے بنے نہ نگلتے۔ جی تو چاہا اسے ایسی بے نقط سنائیں، ایسی جھاڑ پلائیں کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ مگر دیواروں سے سر پھوڑنے کے مصداق اس گونگی لڑکی سے کچھ کہنا سننا ہی بیکار تھا۔ اپنی زندگی میں شاید اتنی کوفت کبھی نہیں ہوئی جتنی اس وقت کار ڈرائیو کرتے ہوئے ہو رہی تھی۔ عمیر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ موڈ سخت آف ہے، کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ خود ہی بولا۔

"ابھی تو کافی بارونق علاقہ ہے۔ آگے جا کر کسی سنسان جگہ اس کو اتار دینا یہ بات میں اسے چلتے وقت ہی بتا چکا ہوں۔"

عمیر کا اتنا تو کہنا تھا کہ وہ لڑکی پھر بھس بھس کر کے رونے لگی۔ خرم کو ایک دم تاؤ آگیا۔ انہوں نے زور سے بریک لگا کر گاڑی روک لی۔

"چلو اترو فوراً"۔ اب یہ تمہاری نخرے بازی نہیں چلے گی۔ چالاک لڑکی۔" انہوں نے بڑے جذب کے عالم میں کہا تو اس لڑکی نے روتے روتے ان کی طرف سیٹ پر جھک کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ اور انہیں ایسی ملتجی نظروں سے دیکھا کہ خرم کا دل پگھلنے لگا انہیں خاموش دیکھ کر لڑکی نے پھر اشاروں ہی اشاروں

میں ان سے اپنا دلی مدعا بیان کیا۔
"کیوں بھئی' یہ کیا کہہ رہی ہے کچھ سمجھے تم۔" عمیر نے انگلش میں پوچھا۔
"ہاں جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے۔ وہ مجھ سے رحم کی بھیک مانگ رہی ہے۔"
"کمال ہے' سب کچھ تو سیکھا ہے' اب اشاروں کی زبان بھی سیکھ لی' یہ کیوں نہیں کہتے کہ وہ یہ کہہ رہی ہے کہ میرا کوئی نہیں ہے تیرے سوا' اس لیے تمہاری پناہ میں آنا چاہتی ہوں' خدارا مجھے یہاں سڑک پر چھوڑ کر نہ جاؤ۔" عمیر ان کے نرم لہجے پر خار کھا کر بولا۔
"میں بہت سنجیدہ موڈ میں ہوں' مجھ سے زیادہ بکواس کی تو اس کی جگہ تمہیں گاڑی سے اتار کر چل دوں گا۔" خرم نے بگڑ کر کہا۔ اور گاڑی آگے بڑھالی۔
"لو یہ اور ہوئی یعنی بندر کی بلا طویلے کے سر' بھئی ایسی کون سی غلط بات کہی ہے میں نے جو تمہارا نارمل چیخ گیا' اماں ڈاکٹر ہو۔ اور اتنا بھی معلوم نہیں' جو لڑکی سن سکتی ہے۔ اسے بولنا بھی آتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ گونگی بنی ہوئی ہے' نہ معلوم کیا چکر ہے۔ اس پر تم نے اسے اتارا بھی نہیں' اب یہ کہیں ہمیشہ کے لیے تمہارے گلے نہ پڑ جائے۔"
اصل میں سڑک پر بہت بھاری ٹریفک چل رہا تھا' لاریوں اور بسوں کی گھڑگھڑاہٹ میں اگلی سیٹ پر خرم کے ساتھ بیٹھا عمیر خاصی اونچی آواز میں بات کر رہا تھا اسی لیے لڑکی کو اس کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔
"میں نے اس سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ سوچ لیا ہے۔ اس لیے تم اپنے چھوٹے سے دماغ پر بوجھ نہ ڈالو۔"
خرم نے اس کی ساری باتوں کے جواب میں کہا تو عمیر چپ سا ہو گیا۔
گھر پہنچتے ہی خرم نے اندر جانے کے بجائے رحمت علی کو اشارے سے بلایا جو ان کے یہاں باغبانی کرنے کے ساتھ ساتھ چوکیداری کا کام بھی کرتا تھا اور آؤٹ ہاؤز میں رہتا تھا اور گاڑی کی آواز سن کر کہیں لان میں سے ہی برآمد ہوا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا۔
"رحمت علی! یہ لڑکی ہمارے ہسپتال کے کیا ونڈر

کی بیٹی ہے جو بے چارا اسے لاوارث چھوڑ کر مر گیا ہے۔ یہ کچھ روز کے لیے تمہاری بیوی کے ساتھ رہے گی۔ اس کا خیال بھی رکھنا اور اپنی بیوی سے کہنا کہ اسے کام کرنا بھی سکھا دے۔"
پھر انہوں نے مڑ کر اس گونگی سے کہا۔
"چلو رحمت علی کے ساتھ ان کے کوارٹر میں چلی جاؤ۔ یہ تمہیں بیٹیوں کی طرح رکھیں گے۔"
پھر وہ رحمت سے بولے۔
"یہ لڑکی گونگی ہے مگر سن لیتی ہے۔"
"ہاں قدرت ہے خدا کی سرکار۔" مالی رحمت علی بولا' "آؤ بچی" کہہ کر اپنے ساتھ اپنے کوارٹر میں لے گیا۔
"اوہ شکر۔ شاید زندگی میں تم نے پہلی بار عقلمندی کا ثبوت دیا ہے مگر۔" عمیر خرم کے ساتھ اندر کا رخ کرتے ہوئے بولا۔
"مگر یہ اس قدر عقل مندی کی تو بات نہیں وہیں ہاسپٹل میں نرس کے بتانے پر میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر یہ گونگی لڑکی راستے میں نہیں اتری تو اسے رحمت کی بیوی کے پاس چھوڑ دوں گا۔" خرم نے اپنی سوچ میں گھرے گھرے کہا۔
"مگر کیا ضرورت تھی اسے رحمت علی کی بیوی کے پاس چھوڑنے کی جیسا کہ میں نے کہا تھا۔ تم نے اسے راستے میں ہی کہیں اتار دیا ہوتا۔" عمیر بولا۔
"بھئی' ایک تو وہ رونے لگی تھی۔ اس پر ہاتھ پیر بھی جوڑ رہی تھی میں نے بھی سوچا۔ جوان لڑکی ہے' اسے اپنی عزت کا خیال ہو گا اس لیے اتنا تڑپ تڑپ کر فریاد کر رہی ہے اس لیے میں نے ایسے ناوقت اسے راستے میں نہیں اتارا اور یہاں لے آیا۔"
"کمال ہے۔ مجھے تو تمہاری عقل پر حیرت ہوتی ہے' بھلا رواداری کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ بالفرض اگر وہ تم سے کہتی کہ آگ میں کود جاؤ تو کیا تم کود جاتے تم نے بھی خوامخواہ کا جنجال پال لیا۔" عمیر خرم کی باتیں سن کر جلے کٹے انداز میں بولا۔
"مگر میں نے کوئی زندگی بھر کا ٹھیکہ تو نہیں لیا۔ بس دو چار روز بعد اسے جیسے دیکھا تو رحمت علی سے کہوں گا۔

اسے کسی دارالامان قسم کی جگہ پر چھوڑ آئے۔"

دونوں اندر پہنچے تو بیڈ روم میں جانے کے بجائے لاؤنج میں ہی بیٹھ گئے طفیل کاکا آگئے تھے۔ انہوں نے ان سے کہہ کر چائے لاؤنج میں ہی منگوالی۔

"میاں صاحب! کیا کھانا لگادوں۔؟" طفیل کاکا نے چائے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کھانا تیار ہوگیا ہے؟۔" ان کے بجائے عمیر نے پوچھا۔

"نہیں۔ مگر دس پندرہ منٹ میں ہوجائے گا۔ اصل میں رات کی بارش کی وجہ سے میری بھانجی کے گھر کی دیوار گر گئی تھی۔ میاں صاحب گئے ہوئے تھے اس لیے میں صبح ہی کو چلا گیا تھا۔" طفیل کاکا نے اپنی غیر حاضری کی تفصیل بتائی تو خرم بولے۔

"خیر کوئی بات نہیں اس وقت تو آپ جاکر کھانا تیار کیجیے۔" پھر انہوں نے طفیل کاکا کو اپنے کھاریاں نہ جاسکنے کا سبب بھی بتادیا۔

*_*_*

اگلے روز موسم میں خاصی تبدیلی آگئی تھی۔ آسمان بھی کھل گیا تھا' اس لیے یہ دونوں ناشتے سے فارغ ہوتے ہی کھاریاں روانہ ہوگئے تھے۔ جب کہ عمیر نے کتنا کہا بھی تھا کہ اس لڑکی کو بھی ساتھ لے چلو' اسی نام نہاد ریسٹ ہاؤس میں اتار دینا مگر خرم نے ان کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔

انہوں نے یہی کہا کہ وہ اگر رحمت علی کے پاس رہ رہی ہے تو رہنے دو' ویسے بھی وہ چوکیدار کبھی اسے اپنے پاس رکھنے پر راضی نہ ہوگا' اور ہاں سنو پیدائشی طور پر

پیٹ کے ہلکے ہو وہاں امی جان کے سامنے گل افشانی نہ کرنا۔

"گل افشانی۔" عمیر تھوک نگل کر بولا۔

"بھئی دیکھو' بندہ بشر ہوں ویسے تو۔"

"ویسے تو کے بچے' اب واقعی میں تمہیں مار بیٹھوں گا۔" خرم نے اس کی بات پر مسکراتے ہوئے کہا' جانتے تھے کہ وہ محض ان کو ستانے کی غرض سے کہہ رہا ہے۔ فون کا سلسلہ اب تک بحال نہیں ہوا تھا اسی

لیے خرم بلا فون کیے ہی چل دیے تھے۔

رات کو کھاریاں پہنچے تو گھر کے تمام افراد رات کے کھانے سے فارغ ہوکر بیٹھے تھے۔ ادھر ان کی والدہ نے جو لڑکی کو دکھانے کے انتظامات کر رکھے تھے جو پروگرام بنایا تھا' اس میں خرم کے وقت پر نہ آسکنے کی وجہ سے رخنہ سا پڑ گیا تھا۔

اصل میں لڑکی اسلام آباد میں رہتی تھی اور چند روز کے لیے اپنے چچا کے یہاں کھاریاں آئی ہوئی تھی۔ وہ خرم کے انتظار میں بیٹھی نہیں رہی بلکہ اگلے دن ہی اپنے گھر اسلام آباد چلی گئی۔

بہرحال' دو روز ماں کے پاس گزار کر تیسرے روز خرم عمیر کے ساتھ جہلم روانہ ہوگئے۔ تعجب کی بات یہ کہ جب تک ماں کے پاس رہے انہیں بھول کر بھی گونگی کا خیال نہ آیا تھا مگر عمیر کے دماغ میں تو شور سا بپا رہا تھا۔ اس نے واپسی میں آدھے راستے پر آکر کہا۔

"یار! پتا نہیں گھر کا صفایا کر گئی ہو یا خود ہی کہیں چمپت ہوگئی ہو۔"

"کون؟۔" خرم نے بے خیالی میں پوچھا۔

"ارے وہی گونگی۔"

"اچھا کیا وہ تمہیں خواب میں بھی نظر آتی رہی ہے۔؟"

"نہیں خواب میں تو نہیں جاگتی ہوئی حالت میں ضرور یاد آتی رہی ہے۔" عمیر نے کہا۔

ماں کی خواہش تھی کہ وہ دن کے وقت ہی جہلم روانہ ہوجائیں۔ تاکہ رات کو سفر نہ کرنا پڑے۔ یہ دونوں دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد گھر سے روانہ ہوئے

تھے۔ جہلم پہنچتے پہنچتے رات ہوگئی۔

اور دروازہ کھول کر اندر چلے آئے اندر سامنے ہی طفیل کاکا کھڑے نظر آئے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ ان کی طرف بڑھ کر بولے۔

"میاں صاب! بے بے جی اور سب تو راضی خوشی ہیں نا۔"

"ہاں طفیل کاکا! خدا کے فضل سے سب خیریت سے

ہیں۔ امی جان آپ کو بہت پوچھ رہی تھیں۔ ویسے کیا کچھ کھانے پینے کو مل سکے گا۔"

"جی ہاں ضرور۔ سب کچھ آپ کا ہی تو ہے۔ مجھے پتا تھا آپ آج ضرور آئیں گے۔ اس لیے آج میں نے بڑے اچھے اچھے کھانے بنائے ہیں بس ابھی میز پر لگاتا ہوں۔"

انہوں نے محسوس کیا۔ طفیل کاکا کے لہجے میں بشاشت تھی۔ مگر انہوں نے جتایا نہیں۔

طفیل کاکا کھانے کا اہتمام کرنے کچن میں چلے گئے۔

ان دونوں نے اپنے اپنے کمروں میں آکر منہ ہاتھ دھویا اور لباس تبدیل کرکے کھانے کے کمرے میں آئے تو یہ دیکھ کر دونوں کو ایک شاک سا لگا کہ کھانے کی میز پر طفیل کاکا کے بجائے گونگی کھانا چن رہی ہے۔ گو اس نے ہلکا سا گھونگھٹ نکال رکھا تھا جیسے رحمت علی کی بیوی کاڑھتی تھی۔ مگر وہ کوتاہ قد کانسی سی تھی جب کہ گونگی نے وہی لباس پہن رکھا تھا جو وہ پہن کر آئی تھی۔ حالانکہ اس کا شلوار سوٹ میلا ہوگیا تھا پھر بھی دونوں اسے ایک ہی نظر میں پہچان گئے۔ وہ گونگی ہی ہے۔ خرم نے طفیل کاکا کو پکارا۔ وہ آئے تو ان سے پوچھا۔

"طفیل کاکا! یہ رحمت علی اور اس کی بیوی کہاں غائب ہیں۔؟"

"جی وہ رحمت علی کا ماما کل رات کو ہسپتال میں مرگیا' وہ دونوں اس کے گھر گئے ہیں اس لیے اس بٹیا کو میرے پاس چھوڑ گئے پر میاں صاحب بڑی کام کی شے ہے۔ سارے کام یوں چٹکی بجاتے میں کر دیتی ہے۔ پتا ہے صبح سے لگی ہے گھر کی جھاڑ پونچھ میں جھاڑو ٹاکی کے بعد آپ کے کپڑے دھوئے سکھا کر استری کیے' برتن بھی ایسے مانجھے کہ سمجھو قلعی پھیری ہو۔"

طفیل کاکا نے تو ایکدم ہی اس کی ساری کارکردگی جتادی۔

"لو بھئی' یہ پہلا قدم ہے اس گھر پر قبضہ جمانے کا۔ خدا خیر کرے۔"

عمیر آہستہ سے بولا۔

"اوہو بھئی' ہمیشہ اول فول بکتے رہتے ہو' قبضہ جمانا اتنا آسان نہیں۔ ایک منٹ میں قدم اکھاڑے بھی جاسکتے ہیں۔"

خرم جن کا موڈ اس لڑکی کو دیکھ کر آف سا ہوگیا تھا۔ ایک جذب کے عالم میں بولے۔

بہرحال گونگی تو میز پر کھانا چن کر الٹے پیروں واپس چلی گئی تھی' مگر خرم سے ڈھنگ سے کچھ کھایا بھی نہیں گیا۔ آخر کیا ضرورت تھی مجھے اپنے سر یہ بلا لے لینے کی۔ اتنا بودا اور کمزور کیوں ہوجاتا ہوں' دوسرے کی ہمدردی میں ورنہ اسے وہیں اس چوکیدار کے پاس ہی چھوڑ آتا۔ یہی بہانا کر دیتا کہ ابھی اس کے لیے دوا لے کر واپس آجاؤں گا' یا پھر صاف صاف کہہ دیتا کہ اب بارش تو تھم گئی اس سے کہو کہ جہاں سے آئی ہے وہیں چلی جائے' مگر اسے زخمی دیکھ کر میرا دل پگھل گیا۔ اس پر مستزاد اس نے روتے ہوئے بتایا کہ گونگی ہے اور اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے لیکن یہ تو میں کبھی مان ہی نہیں سکتا کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ خیر ان باتوں سے مجھے کیا غرض' میں تو اب سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ رقم تھما کر اس سے کہوں گا کہ جاؤ اب اپنا راستہ ناپو۔"

خرم ان ہی خیالات میں غلطاں اور پیچاں سے

آہستہ آہستہ کھانا کھا رہے تھے کہ عمیر نے ان کی طرف تھوڑا سا جھک کر آہستہ سے کہا۔

"فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو اسے یوں چٹکی بجاتے میں یہاں سے رفوچکر کردوں گا۔"

تو خرم اپنے خیالات سے چونک کر بولے۔

"تم نے کبھی خاموش ہونا بھی سیکھا ہے۔ جو اوٹ پٹانگ منہ میں آتا ہے بکتے رہتے ہو' مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں مجھے۔ جو کچھ کرنا ہے خود ہی کرلوں گا۔"

"اوکے ایز یو پلیز۔"

عمیر نے تھوڑا سا خجل ہوکر شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

اس وقت تو کھانا کھانے کے بعد دونوں کافی پی کر اپنے

اپنے کمروں میں جا کر سو گئے تھے اصل میں تو خرم کا چھ تو موڈ آف تھا۔ اس پر وہ تھک بھی بہت گئے تھے۔ جمعہ ہفتہ کی چھٹی لی تھی۔ اتوار کا نصف دن سفر کرنے میں گزر گیا تھا۔ پیر کے دن انہوں نے اپنے دو آپریشن موخر کر دیئے تھے اس لیے پیر کا دن بہت مصروفیت میں گزرا تھا' عمیر بھی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا تھا۔ وہ ہمیشہ رات گئے تک آتا تھا کیونکہ اس کا آفس خاصا دور تھا اور کمپنی کی گاڑی مصروف ہوتی یا کام مکمل نہ ہوتا تو اسے پبلک ٹرانسپورٹ سے آنا پڑتا تھا۔

*_*_*

بہرحال دو تین روز تو بہت مصروفیت میں گزرے۔ اس کے بعد کہیں جا کر دونوں کو اکٹھے بیٹھنے کا موقع ملا تو عمیر نے ذکر نکالا۔

"ہو بھئی اس نے تو تمہاری مصروفیت سے پورا پورا فائدہ اٹھا لیا یعنی دھرنا دے کر بیٹھ گئی ہیں موصوف۔ کام وام کرنے کے بہانے۔ بہتر یہی ہے کہ اب انہیں یہاں سے جلد از جلد چلتا کرو۔"

"لیکن عمیر! وہ بے چاری اگر یہاں رہ رہی ہے تو ہمارا کیا بگاڑ رہی ہے بلکہ ہماری خدمت ہی انجام دے رہی ہے' ویسے بھی طفیل کاکا اس سے بہت خوش ہیں گویا ای جان تکسبات پہنچے کا خطوط ٹل گیا ہے۔"

"ہیں۔ یہ تم کہہ رہے ہو۔ تم بھئی واہ' مجھے تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔" عمیر چونک سا گیا۔

"سنو۔ ہمیشہ بے ہودگی پر اتر آتے ہو' میری بات شرافت سے سنو۔"

خرم تیوری پر بل ڈال کر بولے۔

"اچھا سناؤ سناؤ میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"وہ گوشت پوست کی بنی ہماری تمہاری طرح انسان ہے۔ کوئی غیر مرئی شے نہیں ہے اور بہت بے ضرر بھی ورنہ ایسی ویسی ہوتی تو ہماری توجہ اپنی طرف ضرور مبذول کراتی۔ سمجھے تم۔"

"ہاں ہاں سمجھ گیا۔ سمجھ گیا۔" عمیر اسی غیر سنجیدگی کے موڈ میں بولا۔

خرم نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ چائے پیتے رہے۔

"تم یہ بتاؤ کہ اس لڑکی کی من جملہ ضرورتوں کا کیا انتظام کیا جائے۔" وہ کچھ سوچنے کے بعد بولا۔

"ہائیں من جملہ ضرورتیں۔ میں سمجھا نہیں کیا اب اپنا دم پخت بھی بنوانے کا ارادہ ہے۔" عمیر واقعی کچھ نہیں سمجھ سکا۔

"نہیں' میرا مطلب ہے' اس کے کپڑے لتے اور دیگر اشیاء جو انسان کے روزمرہ استعمال کے لیے ہوتی ہیں دیکھا نہیں اس کے کپڑے کتنے میلے ہو رہے ہیں۔" خرم نے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"یہ تو گھر گرہستی کا ارادہ ہوا ایکدم۔" عمیر چڑ کر بولا۔

"ہاں بھلا ان چیزوں کی فراہمی کے بارے میں سوچنے کی ضرورت کیا ہے جب کہ یہ بھی کہہ رہے ہو کہ ایک دو دن میں اسے چلتا کر دو گے ارے میاں روپے سوا روپے والا دیسی صابن منگوا دو یا پھر سرف کا چھوٹا ڈبہ اور اس سے کہو کہ اپنے کپڑے دھو لے۔ ایسا ہی ہے تو تھوڑی دیر کے لیے اپنا کوئی جوڑا پہننے کو دے دینا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔"

خرم کوئی جواب دینے ہی والے تھے کہ طفیل کاکا چائے کی پیالیاں اٹھانے کے لیے آ گئے۔ اس لیے انہیں چپ ہونا پڑا۔

"ہاں یہ جذباتی باتیں چھوڑو۔ ایسے چونچلے دکھائے تو وہ بیچ بیچ تسمہ پا بن کر رہ جائے گی۔ ویسے بھی آج تمہیں لجا لجا کر دیکھ رہی تھی۔ مجھے تو اس کی نیت پر بھی شبہ ہے۔"

"تم اتر آئے نا آخر اپنی خصلت پر' میرے لیے یہ کوئی نئی لڑکی نہیں میں نے بہت سی لڑکیاں دیکھ رکھی ہیں۔ ان کے طور طریقے اور انداز میں پہچانتا ہوں۔ یہ بے چاری تو سیدھی سادی لڑکی ہے نہ معلوم اسے کیا حالات پیش آئے ہیں جو یہ گھر بار چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹک رہی ہے۔"

"منیر بھائی! تم جانو اور تمہارا کام جانے ورنہ ہم تو تمہارے بھلے کو ہی کہتے ہیں۔" عمیر ایک گہرا سانس کھینچ کر بولا۔

"اچھا چلو اٹھو' ذرا بازار چلتے ہیں۔" تیمور نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا بھئی چلو' ایسے ایزاے میٹر آف فیکٹ اسے بھی ساتھ لے لیتے تو اچھا رہتا۔" خرم کو عمیر کے ایزوکے میٹر آف فیکٹ کہنے پر ہنسی آ گئی۔

وہ ہنستے ہوئے عمیر کے ساتھ باہر آ گئے۔ اور بازار سے اس لڑکی کے لیے ریڈی میڈ دو عدد سوٹ' کنگھا' ایک چھوٹا سا آئینہ' منہ دھونے کا صابن اور ایک عدد لیڈیز چپل خریدی اور گھر آ کر طفیل کاکا کے ہاتھ اسے یہ ساری چیزیں بھجوا دیں۔ انہوں نے رحمت علی کے کوارٹر میں اسے رکھنا مناسب نہیں سمجھا تھا بلکہ اپنے بنگلے کا ایک چھوٹا سا کمرہ اسے رہائش کے لیے دے دیا تھا اور اس کی گھر میں موجودگی کی وجہ سے وہ زیادہ گھر سے باہر ہی رہتے تھے۔ کیونکہ گھر کی صفائی ستھرائی اور ان کے بہت سے کام وہی انجام دیتی تھی اس لیے وہ دن کے وقت تو گھر میں منڈلاتی نظر آتی تھی۔ اور وہ اس وجہ سے دن کا بیشتر وقت گھر سے باہر ہی گزار دیتے تھے۔

لڑکی کو خرم کے گھر میں رہتے تین ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا۔ اور اس عرصے میں کئی مرتبہ خاص طور پر عمیر کے کہنے پر انہوں نے سوچا تھا کہ وہ اس لاوارث اور گونگی لڑکی کو کسی رفاہی ادارے میں چھوڑ آئیں گے۔

مگر وہ اپنی سوچ کو کبھی عملی جامہ نہیں پہنا سکے تھے۔ ویسے بھی وہ ان کے لیے بے ضرر تھی۔ اور اس خیال

سے بھی وہ خاموش ہو کر بیٹھ جاتے کہ ان کے گھر میں وہ ہر طرح سے محفوظ تھی۔

اس پر گھر کے سارے کام بھی وہی انجام دیتی تھی۔ اس تین ماہ کے عرصے میں وہ اتنے مصروف رہے تھے کہ ماں سے ملنے گھر بھی نہیں جاسکے تھے۔ جبکہ وہ چاہتی تھیں کہ ان کی بات پکی کرکے ان کے فرض سے سبکدوش ہولیں۔ وہ کئی مرتبہ فون پر بھی ان سے اس سلسلے میں بات کرچکی تھیں اور خرم جواب میں یہی کہتے تھے کہ بس ذرا فرصت مل جائے تو آپ کی خواہش کو بھی پورا کردوں گا۔

ادھر طفیل کاکا کو گونگی کے آجانے سے بڑا آرام مل گیا تھا۔ کیونکہ گونگی بیشتر کاموں میں ان کا ہاتھ بٹادیتی تھی۔ اور سگی بیٹیوں کی طرح ان کا خیال بھی رکھتی تھی۔ کچھ اسی وجہ سے بھی طفیل کو اس کے کاکا نے اس کے گھر میں رہنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اور اس لیے بھی کہ وہ خرم کے نیک چلن اور نیک فطرت سے بخوبی واقف تھے اور انہیں خرم پر پورا بھروسا تھا۔

اس روز کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ خرم کی غیر موجودگی میں ان کی والدہ کا فون آگیا جسے گونگی نے ہی ریسیو کیا' طفیل کاکا تو کچن میں مصروف تھے گونگی نے غوں غوں کرکے انہیں بلایا' طفیل کاکا بھاگے ہوئے آئے اور ریسیور اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے انہوں نے بڑے دلار سے کہا۔

"ارے بچی! کیا تو نے فون کی گھنٹی ہلکی کررکھی تھی جو مجھے آواز ہی نہیں آئی؟" گونگی نے نفی میں سر کو ہلایا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ جاؤ اپنا کام کر۔" اتنا کہہ کر طفیل کاکا نے ریسیور کان سے لگایا ادھر سے مالکن کی آواز آئی تو سلام دعا کے بعد خرم کی والدہ نے طفیل کاکا سے پوچھا کہ یہ تم کس سے بات کررہے تھے تو سادہ لوح سے طفیل کاکا نے انہیں بتایا۔

"یہ لڑکی گونگی ہے بے بیچاری' سوہنی بھی بہت ہے اور کامی اور محنتی بھی۔"

پھر ان کو خیال آیا کہ کہیں تفصیلات بتانے پر میاں صاحب خفا نہ ہوں اس لیے انہوں نے فوراً ہی بات پلٹی۔

"وہ جی وہ تو بس علاج کے لیے آئی ہے گونگی ہے نا۔" مگر خرم کی والدہ کے لیے شاید اتنا ہی جان لینا کافی تھا انہوں نے فون کا سلسلہ منقطع کردیا۔

مگر اگلے روز آفس میں خرم کو فون کرکے انہیں اپنے آنے کی اطلاع دے دی ان کی اچانک ہی آمد کی خبر سن کر خرم کے تو ہاتھ پیر پھول گئے انہوں نے آفس سے ہی براہ راست عمیو کو گھر بلالیا' اور خود بھی اپنے کئی کام چھوڑ کر گھر چلے آئے۔

انہیں تو حقیقت کی کچھ خبر ہی نہیں تھی کہ طفیل کاکا نے ان کی غیر موجودگی میں کیا گل کھلایا ہے۔ گھر آئے تو سخت پریشانی کے عالم میں ٹہل ٹہل کر خود کو کوس رہے تھے کہ انہوں نے اس گونگی کے معاملے میں اتنی غفلت کیوں برتی' کیوں نہ اسے دوسرے ہی دن گھر سے نکال دیا۔ اب امی جان اگر میں الٹا کھڑا ہوجاؤں گا تو بھی میری کسی بات کا یقین ہی نہ کریں گی۔ خواہ میں انہیں اصل حقیقت بتادوں یا یہ کہہ دوں کہ یتیم لڑکی ہے۔ اس کی ماں نے اس کا علاج کرانے کی غرض سے اسے میرے اسپتال میں داخل کرایا تھا مگر اب صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ لڑکی کو ابھی چلتا کردوں جب کہ پہلے انہوں نے سوچا تھا کہ لڑکی کو رحمت علی کی بیوی کے پاس بھیج دیں گے مگر دو روز پہلے ہی تو رحمت علی کی بیوی اس سے لڑ جھگڑ کر بچوں سمیت اپنے میکے چلی گئی تھی اور طفیل کاکا کے پاس رکھنا تو فضول ہی تھا کیونکہ اس کی والدہ جوان لڑکی کو اپنے پاس رکھنے کے جرم میں طفیل کاکا کو کان پکڑ کر نکال دیتیں' اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا کہ اس لڑکی سے صاف صاف کہہ دیں کہ بھئی اب تم ہماری جان چھوڑو اور یہاں سے چلی جاؤ' ایسے بھی ہم نے تمہیں اپنے پاس رکھنے کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ بلکہ تمہیں تو خود ہی بہت پہلے یہاں سے چلے جانا چاہیے تھا' یہی سب سوچ کر وہ پینٹری میں چلے آئے جہاں وہ کھانے کی پلیٹیں جھاڑن سے پونچھ پونچھ کر کاؤنٹر پر رکھ رہی تھی۔

"سنو وہ کیا نام ہے تمہارا؟ ہاں وہ تو اب تک معلوم ہی نہیں خیر وہ میں یہ کہنے آیا تھا کہ کل سہ پہر کو میری والدہ اور بہنیں آرہی ہیں۔ اب تمہارا یہاں رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں' بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے فوراً" چلی جاؤ۔"

اصل میں ڈاکٹر خرم کی زبان ان کا ساتھ نہیں دے رہی تھی کہ وہ بہت نرم دل اور با مروت انسان تھے۔ رواداری ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اور اس سے یہ سب کہتا انہیں دو بھر لگ رہا تھا' انہوں نے بڑی عجلت اور گھبراہٹ میں یہ سب کہا تھا۔

لڑکی بری طرح چونک کر ان کی طرف گھومی' اور چند ثانیے بڑی بے بسی اور لاچاری کے عالم میں ان کی طرف دیکھتی رہی پھر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور جھاڑن برتن یونہی چھوڑ کر پینٹری سے باہر نکلنے لگی۔ تو مڑ کر گویا آخری بار خرم کی طرف دیکھا دونوں کی نظریں چار ہوئیں پھر دوسرے ہی لمحے وہ پینٹری سے باہر نکل گئی۔ اور خرم ایک بار پھر متذبذب سے ہوگئے۔ اس کی نگاہوں میں جو یاسیت اور بے بسی تھی وہ ان کو اندر تک ہلا کر رکھ گئی۔ یوں لگا جیسے انہوں نے اسے گھر سے نکال کر کوئی بہت بڑا ظلم کردیا ہو' وہ وہیں جم کر رہ گئے جہاں کھڑے تھے۔

عورت کا سب سے انمول جوہر اس کی آبرو ہوتا ہے۔ جس کی تم اتنے دن سے حفاظت کرتے رہے ہو اور اب اسے اچانک ہی گھر سے بھی نکال رہے ہو۔ اگر یہ لڑکی کسی کی ہوس کا شکار ہوگئی تو تم خدا کو کیا جواب دو گے تم جو دکھی انسانوں کا غم بانٹنے والے ہمدرد اور دم ساز بیماروں کی مسیحائی کرنے والے سرجن خرم تبریزی' تم اپنے فرض سے کیوں منہ موڑ رہے ہو۔ رواجوں اور نزاکتوں پر ایک شریف اور بے زبان لڑکی کی عزت کیوں بھینٹ چڑھا دیتے ہو۔ وہ بھی صرف اپنی والدہ کی بدگمانی کے ڈر سے نہیں' نہیں' یہ تمہارے کردار اور قوت ارادی کی آزمائش کی گھڑی ہے۔ تمہاری ماں کو بھی تم پر اعتماد ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ وہ ذرا سی بات پر تم سے بدگمان ہوجائیں۔

خرم واقعی زبردست قوت ارادی کے حامل تھے۔ انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے گونگی کو واپس لانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اور اس فیصلے کے تحت وہ تیزی سے باہر آئے۔ بنگلے کے باہر سڑک پر کچھ دور وہ انہیں جاتی نظر آئی۔ وہ قدم بڑھا کر کچھ ہی دیر میں اس کے پاس جا پہنچے۔ اور اس سے مخاطب ہو کر بولے۔

"ارے محترمہ! سنیے۔ میں نے اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔ آپ میرے ساتھ گھر واپس چلیے۔"

لڑکی نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا تک نہیں اور تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھتی رہی۔

"سنیے۔ اس وقت میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تھا اس لیے میں نے پریشانی میں نہ جانے کیا کہہ دیا۔ مگر اب میں بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ آپ گھر چلیے۔" اصل میں لڑکی نے ایک نظر رک کر ان کی طرف کچھ اتنی ملامت کرتی اشکبار نظروں سے دیکھا تھا کہ وہ گڑبڑا سے گئے تھے اور بہت بے تکے پن سے کہنے لگے۔

"دیکھیں میرا آپ پر کوئی حق تو نہیں مگر میں اس طرح بے سرو سامانی کے عالم میں آپ کو ہرگز نہ جانے دوں گا۔ اور اب میں اس وقت تک آپ سے جانے کے لیے نہیں کہوں گا جب تک آپ خود نہ چاہیں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ آئیے۔ میں نے امی جان سے نمٹنے کی ایک ترکیب سوچ لی ہے۔" انہوں نے منانے کے سے انداز میں کہا تو لڑکی بلا پس و پیش گھر کی طرف مڑ گئی۔

خرم لڑکی کو گھر واپس لانے میں تو کامیاب ہوگئے تھے اور اپنی ماں سے نمٹنے کا بھی انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا۔ اس کے باوجود بھی مطمئن نہیں تھے کیونکہ اپنی حد تک تو وہ سب کا منہ بند کرسکتے تھے مگر اپنی ماں بہنوں کی نظر میں اس لڑکی کو عزت دینے پر قادر نہیں تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ بالخصوص ان کی والدہ کا رویہ لڑکی کے ساتھ کتنا حقارت اور ہتک آمیز ہوگا۔ اور وہ اسے اپنی موجودگی میں گھر سے نکال کر دم لیں گی۔ کیونکہ وہ ہرگز ہرگز برداشت نہیں کریں گی کہ ایک جوان لڑکی تنہا ان کے بیٹے کے ساتھ رہے۔ اور اگر انہوں نے

کوئی ایسا قدم اٹھایا جو یقینی ہے تو وہ انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکیں گے۔ تو پھر کیا کرنا چاہیے۔ وہ دیر تک یہی سوچتے رہے۔ آخر ان کے ذہن میں ایک ترکیب آہی گئی۔ جس سے حظ اٹھا کر وہ آپ ہی آپ ہنستے بھی رہے۔

۔۔*

انہوں نے عمیر کو فوری طلب کیا تھا۔ مگر انتظار کے باوجود عمیر سہ پہر تک نہیں آیا تھا۔ آخر شام ہونے آیا تو خرم کو پریشان اور خفا خفا سا دیکھ کر اس نے ان سے پوچھا۔

"کیوں نصیب دشمناں آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔؟"

"ارے طبیعت کو کیا پوچھتے ہو میں تو اس وقت سخت پزلڈ ہو رہا ہوں۔ میرا تو دماغ ہی کام نہیں کر رہا۔"

"کیوں خیریت تو ہے آخر ایسی کیا بات ہوگئی جس سے؟"

"بھئی اصل میں وہ کل سہ پہر کو والدہ ماجدہ جو تشریف لا رہی ہیں۔"

"واہ والدہ ماجدہ آرہی ہیں اور آپ اتنے ہراساں نظر آرہے ہیں کہیں نکاح دکاح پڑھوانے کی تیاری کرکے تو نہیں آرہیں۔"

"ارے نہیں۔" خرم نے بیزاری سے کہا اور پھر اپنی پریشانی کا سبب اس کے گوش گزار کردیا۔

"ہوں تو یہ بات ہے۔ بلکہ کافی غور طلب بات ہے۔ اب گویا تم ہر طرح سے اپنا ہی پلڑا اونچا کرنے کی کوشش میں لگے ہو۔ ورنہ سیدھی بات ہے۔ ابھی بھی اسے لے کر میرے ساتھ چلو اور کسی رفاہی ادارے میں جاکر چھوڑ آؤ۔ اللہ اللہ خیر صلا۔"

"اگر یہ کرسکتا تو کب کا کرچکا ہوتا۔ کیونکہ رفاہی ادارے میں ایک مجھ جیسے ذمہ دار شخص کا اسے داخل کرانا۔ میری ذمہ داری اور ضمانت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔"

"تو پھر ایسا کرو کہ اسے کہیں سڑک وڑک پر چھوڑ آؤ خود ہی جدھر سینگ سمائیں گے چلی جائے گی۔"

"واہ تین تین بہنوں کے بھائی ہوکر اتنی غیر ذمہ دارانہ بات کس منہ سے کہہ رہے ہو۔"

"مگر پھر سوال یہ ہے کہ کیا کیا جائے۔ کوئی جادو وادو بھی نہیں آتا کہ اسے مکھی بنا کر اڑادیں۔" عمیر زچ سا ہوکر بولا۔

"بھئی ایسی فضول باتوں سے کچھ حاصل تو نہیں ہوگا۔ سنو میرے دماغ میں ایک بہت ہی فنٹاسٹک ترکیب آئی ہے۔" خرم نے اتنی دیر میں پہلی بار ہلکا سا مسکرا کر کہا۔ اور پھر اپنی سوچی ہوئی ترکیب عمیر کے گوش گزار کردی۔ مگر عمیر تو اس ترکیب کو سن کر یوں بدکا جیسے چابک کھانے سے منہ زور گھوڑا بدکتا ہے۔

"بھئی حد کردی۔ بلکہ یہ تو ظلم ہوا سراسر میری اس جان ناتواں پر۔ ارے میاں ہوش کے ناخن لو۔ اور یہ تمہاری نظر میں کیا میں ہی زمانے بھر کا یتیم وہسیر لاوارث۔ بے وقوف ناکارہ احمق اور فالتو رہ گیا ہوں یہ تو وہی مثل ہوگئی کہ اپنی آئی دوسرے پر گنوائی۔ واہ اچھا آپ نے حق دوستی ادا کیا۔"

"افوہ بھئی اتنا واویلا کیوں مچا رہے ہو۔ یہ تو ایک نیک کام ہے یعنی کار خیر کسی بے سہارا اور معذور لڑکی کی عزت رکھ لینا۔ اور اس طرح وہ بے چاری دربدر کی ٹھوکریں کھانے سے بھی محفوظ رہے گی۔ یہ کار خیر ہی تو ہوگا۔"

خرم نے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ تو کسی طرح قابو میں آتا نظر ہی نہ آیا۔

"جی بس بس۔ یہ کار خیر' کار ثواب اور کار لائقہ آپ ہی کو مبارک' میں تو باز آیا ایسی ہمدردی اور مدد سے اور بٹھائے رکھوا اسے اپنے سینے سے لگا کے۔ کتنا کہا تھا کہ کسی طرح اسے چلتا کردو مگر وہاں تو خوف خدا۔ انسانی فرض' ہمدردی اور وہ کیا کہتے ہیں خدا ترسی کا بھوت سوار تھا سر پر۔ اب بندر کی بلا طویلے کے سر منڈھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ واہ یک نہ شد دو شد۔ میں تو یہی کہوں گا کہ بخشو جی بلا کی چوہا لنڈورا ہی بھلا۔"

عمیر تھا کہ کسی طرح قابو میں ہی نہیں آرہا تھا۔

"اچھا تو پھر ٹھیک ہے۔ میں بھی اپنے نام کا ایک ہی

ہوں۔ یہ تمہیں بھی اچھی طرح معلوم ہے۔ اب خواہ میری والدہ مجھے عاق کردیں یا مجھ ہمیشہ کے لیے لعنت بھیج کر چلی جائیں۔ میں یہ ترکیب خود پر آزماؤں گا۔ کیونکہ میں نے اسے پناہ دینے کا ذمہ لیا ہے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ تم کتنے پانی میں ہو۔"

خرم ایک جذب کے عالم میں بولے اور لاؤنج سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

عمیر بھی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا اپنے خواب گاہ میں چلا آیا۔

خرم کا موڈ واقعی خراب ہو گیا تھا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں آئے تو بنا لباس تبدیل کیے اپنے بیڈ پر گر پڑے۔ اصل میں ان کا پلان کچھ یہ تھا کہ گونگی کو عمیر کی تو بیاہتا ظاہر کر کے اپنی والدہ اور بہنوں سے ملوائیں گے اس طرح لڑکی کی عزت بھی ــــ رہ جائے گی اور بدگمانی اور شکوک و شبہات کا خطرہ بھی ٹل جائے گا۔ مگر عمیر کے انکار نے تو ان کے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیا تھا۔ بلکہ ان کے لیے واقعی مشکلات کھڑی کر دی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کریں تو کیا کریں۔ کون سا عملی قدم اٹھائیں۔

*_*_*

اپنے کمرے میں آکر نہانے دھونے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد ذرا سکون ملا تو عمیر نے سوچا کہ اس کے انکار نے خرم کو اس سے ناراض کر دیا۔ ویسے یہ تو حقیقت ہے وہ اپنی بات کے بہت پکے ہیں۔ جو کہا ہے وہ کر کے رہیں گے۔ اور اسی طرح ان کی والدہ ان سے سخت ناراض اور کبیدہ ہو جائیں گی۔ اور اس طرح آپس میں دل برے ہو جائیں گے۔ جبکہ خرم' خالہ جان کی بڑی اولاد ہیں۔ اس طرح تو ان کے بھائیوں اور بہنوں پر بھی برا اثر پڑے گا۔ اور خرم تو ایک طرح میرے محسن بھی ہیں۔ انہوں نے مجھ پر بہت احسانات کیے ہیں۔ مجھے اس آڑے وقت میں ان کی مدد کرنی چاہیے۔ اگر میں خالہ جان سے اس گونگی کا تعارف اپنی بیوی کی حیثیت سے کرا دوں گا تو نظام شمسی کے معمولات میں کون سا فرق پڑ جائے گا۔ البتہ وہ بے یارو مددگار لڑکی بے ٹھکانے ہونے سے بچ جائے گی۔ یوں بھی عمیر کو اس گونگی سے کوئی خاص پرخاش نہیں تھی۔ وہ نہایت بے ضرر اور پارسا ہوئی تھی۔ اور اس کی سلیقہ مندی اور مستعدی سے عمیر بھی کچھ کچھ متاثر تھا۔ مگر اس سے تو محض خرم کی خوشی کی خاطر کو اس نے بلا سوچے سمجھے اپنی رضامندی دے دی۔

وقت کم تھا اور اس گونگی کو بھی اس فرضی شادی کے لیے ہموار کرنا تھا اس لیے خرم نے اسے بلا کر اس تجویز سے آگاہ کر دیا۔ مگر انہوں نے دیکھا لڑکی اس تجویز سے بالکل متفق اور خوش نہیں بلکہ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق مان گئی ہے۔

پھر طے یہ ہوا کہ خرم کی والدہ صفورا بیگم کی موجودگی میں لڑکی عمیر کے کمرے میں رہے گی اور عمیر کمرے سے باہر۔ اور رات کو سب کے سو جانے کے بعد۔ دونوں اپنے اپنے ٹھکانوں پر آرام کریں گے۔ آپس میں انسیت اور لگاوٹ کا مظاہرہ بھی ضروری ہو گا۔ دوسرے دن سہ پہر کی گاڑی سے خرم کی والدہ صفوار بیگم تشریف لا رہی تھیں اسی کے پیش نظر اور کچھ اپنی اسکیم کے تحت خرم نے جلد از جلد کاغذ پر ایک فہرست سی بنا کر عمیر کو تھماتے ہوئے کہا۔

"جب ان محترمہ کو اپنی بیوی کی حیثیت سے امی جان سے تعارف کرانا ہی ٹھہرا تو اس کے کچھ لوازمات بھی ہونے چاہئیں۔ لہٰذا تم انہیں ساتھ لے جا کر یہ ساری چیزیں دلا دو۔"

عمیر نے عجیب تمسخرانہ سے انداز میں ان کی صورت دیکھی اور پھر اس پرچے کو کھول کر بولا۔

"یہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے فہرست مضامین مرتب کی ہے تم نے۔" اور پھر با آواز بلند اس فہرست کو پڑھا۔

"لپ اسٹک' نیل پالش' مہندی ــــ اور دو عدد شلوار سوٹ' عمدہ کپڑے کے اور دو عدد کامدار ساڑھیاں۔ ایک عدد سینڈل اور سینٹ اسپرے' معاذ اللہ گویا آپ کا ارادہ مجھے باضابطہ طور پر پابند کرنے کا ہے۔ تو وہ عطر سہاگ ــــ ابٹن' سہاگ پڑا اور چوڑیاں بلکہ طلائی سیٹ یہ تو لکھا ہی نہیں تم نے ماشاء اللہ۔"

عمیر کا انداز بہت جلا کٹا سا تھا' خرم بمشکل اپنی جھلاہٹ پر قابو پا کر بولے۔

"ارے نہیں۔ یہ تو محض دکھاوے کے طور پر ہو گا۔ اب تمہاری بیوی ہونے کی حیثیت سے اگر امی جان کو اس بے چاری پر قبل از وقت بیوہ ہونے کا گمان ہو گیا تو سارا معاملہ چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔"

عمیر کو پھر گھونٹنے سے اکھڑتا دیکھ کر خرم نے کہا۔

"اچھا خیر' اگر اسے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تو جا کے لے کر آجاؤ' اور ہاں چوڑیاں بھی لازمی ہوں گی۔ وہ مت بھولنا۔"

خرم نے اس خیال کہ کہیں عمیر انکار نہ کر دے اس کے ہاتھ میں کچھ رقم تھماتے ہوئے کہا اور نہانے کے بہانے جلدی سے غسل خانے میں گھس گئے۔

اور عمیر رقم کو گھورتا رہ گیا جو کل دس ہزار روپوں پر مشتمل تھی۔ خرم کو ہاسپٹل جانے کی جلدی تھی اس لیے وہ تو صبح وقت سے کچھ پہلے ہی چلے گئے تھے مگر عمیر کو اس روز آفس سے چھٹی لینی پڑی تھی۔ اس نے بھی دوپہر سے پہلے پہلے فہرست میں درج شدہ ساری چیزیں لا کر رکھ دی تھیں بلکہ ساری چیزیں تک آٹھ ہزار میں آئی تھیں اس لیے اس نے دو ہزار روپے سے چھوٹے چھوٹے طلائی آویزے بھی خرید لیے تھے۔

حالانکہ خرم نے اس سے یہی کہا تھا کہ میں بھی آج ہاسپٹل سے چھٹی کروں گا مگر وہ ایسے گئے کہ دو بجے تک نہ لوٹے۔ ناچار عمیر کو خود جا کر وہ ساری چیزیں گونگی کے حوالے کرنی پڑیں۔ گو اسے کسی طرح یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ ایک جھوٹی اور بے سروپا بات کی ابتدا میں لڑکی کو یہ ساری چیزیں پیش کرے۔ مگر چونکہ وقت دوڑا چلا جا رہا تھا اور خرم کے آنے کے دور دور تک آثار نظر نہیں آ رہے تھے اس لیے طوعا" و کرہا" اسی کو لڑکی کے کمرے کا رخ کرنا پڑا تھا۔ عمیر کی گھر میں موجودگی کی وجہ سے ہی وہ کمرے میں بند ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کے دستک دینے پر اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"شکر ہے۔ آپ سن تو لیتی ہیں ورنہ بیڑا ہی غرق ہو جاتا' خیر سنبھالیے یہ ساری چیزیں یہ اپنی امانت۔"

عمیر نے دہلیز پر کھڑے کھڑے ہی دو تین پیکٹ اس لڑکی کو تھماتے ہوئے ترش سے لہجے میں کہا۔ تو قدرے تامل کے بعد لڑکی نے اس کے ہاتھ سے ساری چیزیں لے کر بے دلی سے بیڈ پر رکھ دیں۔ شاید خرم نے اسے بتا دیا تھا اس لیے ان چیزوں کو دیکھ کر اس نے حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

"یہ سینت کر رکھنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ ابھی ابھی خالہ جان کے آنے سے پہلے استعمال کرنا ہے۔ سمجھ گئیں آپ۔"

عمیر نے ترش سے لہجے میں کہا تو گونگی نے چہرہ جھکائے جھکائے اثبات میں سر ہلا دیا اور عمیر برا سا منہ بنائے کمرے سے نکل گیا۔

*_*_*

سہ پہر ڈھل گئی تھی اور عمیر' خرم کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا تھا تب کہیں جا کر ساڑھے پانچ بجے کے لگ بھگ ان کا اسٹیشن سے فون آیا کہ وہ اپنی والدہ کو لے کر کچھ ہی دیر میں پہنچ رہے ہیں اس لیے سارے انتظامات مکمل ہونے چاہئیں۔ اور یہ انتظامات کا مطلب عمیر بخوبی سمجھتا تھا۔ لڑکی بھی اپنے رہائشی کمرے میں ایسی بند ہو کر بیٹھی تھی کہ باہر نکلنے کا نام نہیں لیا تھا' اور اسے اسی پر غصہ آ رہا تھا کہ یہ ساری پریشانی اسی کی وجہ سے اٹھا رہے ہیں وہ دونوں۔ بھلا اس گونگی کو رکھ کر کیا خرم اس کا اچار ڈالیں گے۔ وہ خود تو کبھی جائے گی نہیں یہاں سے۔ وہی مثل ہے کہ مفت ملے کھانے کو تو بلا جائے کمانے کو' بنا ہاتھ پیر ہلائے آرام سے سب کچھ مل جاتا ہے گھر میں بھلا یہ کس مفت کی بیگار میں پھنس گیا ہوں۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ بھلا اب جا کر یہ بھی دیکھوں کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ سخت کوفت کے عالم میں یہی سب سوچتا عمیر کمرے تک پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ تو بھڑا ہوا دروازہ خود بخود کھل گیا اور وہ دہلیز پر ہی جم کر رہ گیا۔

وہ ان کی لائی ہوئی ساڑھیوں میں سے ایک ہلکے نارنجی کامدانی کی ساڑھی میں ملبوس۔ آئینے کے سامنے

کھڑی اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے اور گھنے بال جن میں لہریں سی تھیں شام میں امڈتی گھٹاؤں کا سا منظر پیش کرتے اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اس پر صحت مند چہرہ جو نارنجی ساڑھی اور میک اپ میں بہت زیادہ چمک رہا تھا۔ ساڑھی میں لپٹا سڈول جسم اور اونچی اٹھان۔

کیا یہ وہی لڑکی ہے جسے تم معذور اور لاوارث سمجھ کر کراہیت محسوس کرتے رہے ہو۔

عمیر نے اپنے دل سے سوال کیا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اتنی اچھی بھی ہو سکتی ہے۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ کبھی مکمل کر اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔ ہر وقت چادر یا دوپٹے میں منہ چھپائے رہتی تھی۔

وہ مبہوت سا کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا' لڑکی کی نگاہیں اٹھیں اور آئینے میں سے اس پر پڑیں تو اسے اپنی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ کر اس کی بھنویں تن گئیں اور بڑی ناگواری کے ساتھ وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی عمیر نے بھی اس کی ناگواری کو محسوس کر کے سوچا کہ اسے بغیر بتائے اندر نہیں آنا چاہیے تھا۔ مگر یہ تکلفات برتنے کا وقت نہ تھا۔ وہ عجلت میں بولا۔

"سنیں' جلدی سے تیار ہو جائیے خالہ جان کا استقبال آپ کو ہی کرنا ہوگا اور ہاں آئندہ آپ اپنا یہ فرغل استعمال نہیں کریں گی۔ یہ ہمارے یہاں ماما میں اور دھوبنیں دھیمو اوڑھتی ہیں۔ اور اب پردے داری کا کیا سوال خالہ جان کے سامنے تو آپ گھر کے ایک فرد کی طرح پیش ہوں گی۔"

عمیر اتنا کہہ کر دہلیز سے ہی واپس پلٹ گیا۔ اس نے پہلی بار لڑکی کے گونگے پن کی خامی کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ مگر ہے بہت اکھڑ مزاج ذرا سی کوئی بات اسے بری لگتی ہے تو یوں اکڑ جاتی ہے جیسے ماش کا آٹا یا بھیگا ہوا ناننت۔

وہ بیرونی برآمدے میں آکر یہی سوچ رہا تھا تب ہی خرم کی کار گیٹ کے اندر داخل ہوتی نظر آئی۔ عمیر نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ لڑکی خراماں خراماں اسے اپنی طرف بڑھتی نظر آئی۔ وہ سر ڈھانپے لجائی اور شرمائی شرمائی اتنی اچھی لگی کہ وہ ایک ٹک اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ اسے اگلی سیٹ پر بیٹھی خرم کی والدہ کا بھی خیال نہ رہا۔

خرم کو اس کی اس حرکت پر غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کیے ماں کے ساتھ سیڑھیاں عبور کر کے عمیر کی طرف بڑھے اور کھنکار کر اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تو کہیں عمیر اپنے ہوش میں آیا در ہے آپ میری بیوی ہیں سو فیصد۔ خالہ جان کا خیال بہوؤں کی طرح ہی رکھیے گا۔ آئیے۔" عمیر نے لڑکی کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ اور لپک کر صغورا بیگم کے پاس جا پہنچا جھک کر انہیں آداب کیا اور لڑکی کی طرف پلٹا۔

"آیئے خالہ جان کو آداب کیجئے۔ اب ان سے کیا شرمانا یہ خرم کی امی ہی نہیں میری بھی ماں ہیں۔"

عمیر نے لڑکی کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ خرم کی والدہ نے قدم بڑھا کر لڑکی کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں پھر اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"چلو غنیمت ہے۔ سن تو لیتی ہے۔ مگر ماشاء اللہ بڑی پیاری ہے تمہاری دلہن۔"

"وہ شکریہ آداب خالہ جان۔ ویسے سگھڑ بھی بہت ہیں۔"

"چلو یہ بھی اچھی بات ہے سگھڑ اور سلیقہ مند بیوی قسمت والوں کو ہی ملتی ہے۔ اے ہاں کیا نام ہے تمہارا بہو۔"

صغورا بیگم نے لڑکی کو مخاطب کر کے پوچھا پھر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو پھر بولیں۔

"اے لو' مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ یہ گونگی ہے۔ مگر اس کا کوئی نام تو ہوگا۔"

"جی ہاں جی ہاں۔ یقیناً" نام تو ہونا ہی چاہیے۔ بھلا بے نام کا تو کوئی ہوتا ہی نہیں۔"

عمیر نے ایک دم ہی سٹ پٹا کر بے تکے پن سے کہا۔

"اے ہونا چاہیے کا کیا مطلب؟ کیا تم نے اس کے ہوتے سوتوں سے اس کا نام بھی نہیں پوچھا۔" صغورا بیگم قدرے چونک کر بولیں۔

"نہیں نہیں پوچھا کیوں نہیں وہ ان کا نام۔" عمیر نے تھوک نگلتے ہوئے امداد طلب نظروں سے خرم کی طرف دیکھا۔

خرم نے ماں کی موجودگی کی وجہ سے اب تک لڑکی کی طرف غور سے دیکھا ہی نہ تھا۔ اب جو نظریں اٹھیں تو وہ بھی اسے دیکھتے رہ گئے۔

"اے نام بھی نہیں معلوم اور شادی رچا کر بیٹھ گئے۔"

مگر اس لمحے عمیر کی سٹی کچھ ایسی گم تھی کہ کوئی جواب بھی نہ دے سکا۔ مگر خرم نے نظریں ہٹا کر کہا۔

"یہ تو آج کل اپنے ہوش میں نہیں ہیں امی جان ورنہ ان کی دلہن کا نام تو شفق ہے۔"

اور ان کے شفق کہنے پر لڑکی نے بڑا چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ اور عمیر گڑبڑا کر بولا۔

"جی ہاں خالہ جان! ان کا نام شفق ہی ہے شفق۔"

اور خرم جو اس وقت دل میں سوچ رہے تھے کہ انہوں نے اسے ٹھیک ہی نام دیا ہے کیونکہ وہ نارنجی رنگ کی ساڑھی میں شام کی ڈھلتی ہوئی دھوپ میں شفق کے رنگ بکھیرتی ہی لگ رہی تھی۔ "اے لو دیکھو یوں کہہ رہا ہے جیسے پہلی بار بیوی کا نام سنا ہو۔"

صغورا بیگم ماتھے پر ہاتھ مار بولیں۔

"امی جان! اصل میں اس کے اسکرو کچھ ڈھیلے پڑ گئے ہیں آج کل۔ آپ اس کے چکر میں کہاں پڑ گئیں آیئے اندر کمرے میں چلئے۔" خرم موضوع بدلنے کی غرض سے بولے۔

"وہ میں نے کہا بیگم! ذرا خالہ جان کے لیے گرما گرم چائے تو بنا کر لائیے مگر کڑک ہونی چاہیے ایک دم۔"

عمیر نے لڑکی کو وہاں سے ہٹانے کی غرض سے کہا۔ کیونکہ صغورا بیگم کی تمام تر توجہ اس کی طرف تھی لڑکی بھی صغورا بیگم کی نظروں سے بچنا چاہ رہی تھی۔ وہ بھی جلدی سے اندر چلی گئی۔

"اے یہ تم اپنی نئی نویلی دلہن سے کام بھی لینے لگے۔ وہ طفیل کہاں ہے؟۔"

"وہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ کا بڑا انتظار تھا انہیں بڑی خوشی منا رہے ہیں۔" خرم نے یہ کہہ کر گویا بات ٹالی۔

"ہاں خوش کیوں نہ ہوگا۔ اس نے ہی تو مجھے گونگی کے بارے میں بتایا جب ہی تو یہاں فوراً" آگئی۔ تم سے تو اب گاڑی میں ساری تفصیلات معلوم ہوئی ہیں۔"

صغورا بیگم بولیں تو خرم نے منہ ہی منہ میں کہا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ یہ طفیل کا کا نے شوشا چھوڑا تھا۔"

"لڑکی ویسے تو بری نہیں مگر کیا تمہاری قسمت میں یہ گونگی ہی رہ گئی تھی اور مجھے تو ابھی راستے میں خرم میاں نے بتایا ہے کہ تم نے شادی کر لی۔ ورنہ ابھی جب تم گھر آئے تھے تم نے بتایا ہی نہیں تھا۔"

"لیکن اس وقت تو شادی کرنے کا گمان تک نہ تھا' یہ تو بس بے حد ہنگامی طور پر ابھی۔"

خرم زور سے کھنکارے اور مڑ کر اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا تو عمیر بھانڈا پھوڑتے پھوڑتے خاموش ہو گیا۔

"ہاں مگر خرم تو بتا رہے تھے کہ تم نے۔" صغورا بیگم نے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں جی ہاں انہوں نے سو فیصد ٹھیک ہی بتایا ہوگا' کیونکہ سارا ہاتھ تو ان ہی کا ہے اس معاملے میں۔"

عمیر پھر بغیر سوچے سمجھے بولا۔ تو خرم نے دانت پیس کر اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"ہاں بھئی تمہاری شادی کا معاملہ تو میں نے ہی طے کرایا ہے۔ خیر چھوڑیں اس شادی کے جھنجٹ کو۔ پہلے آپ اطمینان سے بیٹھ جائیے اور ہاں عمیر ذرا جا کر تو دیکھو تمہاری بیگم کیا کر رہی ہیں۔ جواب تک چائے نہیں آئی۔"

"اچھا ہاں۔ بس ابھی دیکھتا ہوں۔" عمیر فوراً" ہی پلٹ گیا۔

"اے میں کہتی ہوں خرم تمہاری کیا مت ماری گئی تھی جو تم نے بلا سوچے سمجھے اس کی شادی کر دی اب قدسیہ اور نواز بھائی کو پتا چلے گا تو خواہ مخواہ ہمارے دل آپس میں برے ہوں گے اور اس عمیر کی تو شامت ہی آجائے گی۔"

اور خرم نے اس ڈر سے کہ کہیں ماں کی بات عمیر کے کان میں نہ پڑ جائے نیچی آواز میں کہا۔

"وہ سب ٹھیک ہو جائے گا امی جان! عمیر کہہ رہا ہے وہ خود سب کچھ سنبھال لے گا۔ آپ تو یہ بتایئے کہ اور سب کیسے ہیں۔ آپ دونوں بہنوں کو ساتھ کیوں نہیں لائیں۔؟"

خرم بھی ماں کے پاس بیڈ پر ایک طرف ٹک کر بولے۔

"وہ بس صرف دو تین دن کے لیے تو آئی ہوں پھر ان دونوں کو کیا ساتھ لاتی۔ ویسے شادی کے بارے میں تمہارا عندیہ بھی معلوم کرنا تھا۔"

"امی جان! میں نے کب آپ کے حکم سے انحراف کیا ہے آپ جو بہتر سمجھیں وہی کریں۔" خرم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اے ہزاری عمر ہو تمہاری میرے لال! مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی مگر بیٹا۔ کم از کم لڑکی کو دیکھ لیتے۔ اگر پسند نہ آئی تو پھر مجھے منہ پر نہ سہی دل ہی دل میں ضرور الزام دو گے۔ اسی لیے میں نے وہاں ہامی نہیں بھری۔ یہی کہا ہے۔ لڑکا دیکھ لے تب ہی کوئی فیصلہ کروں گی۔"

"یہ آپ نے اچھا ہی کیا امی جان۔ بس میں تین ہفتے تک تو سخت مصروف ہوں اس کے بعد انشاء اللہ سیدھا آپ کے پاس ہی آؤں گا۔" خرم اٹھتے ہوئے بولے اور پھر ماں سے بغیر کچھ کہے غسل خانے میں گھس گئے۔

*_*_*

بہرحال صغورا بیگم آگئی تھیں اور ان کے آجانے سے خرم پر تو کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ مگر عمیر ضرور پابندیوں میں جکڑ گیا تھا کہ آفس کے بعد گھر آتا تو لڑکی کے ساتھ بالکل نئے نویلے شوہروں کی طرح پیش آتا۔ اور لڑکی بھی کچھ ایسا مظاہرہ کرتی کہ بقول خود اس کے جیسے "سگی" بیوی ہو۔

ویسے وہ لڑکی کو پسند بھی کرنے لگا تھا ہلکے ہلکے میک اپ اور خوبصورت لباس میں وہ روز بروز نکھرتی جا رہی تھی۔ صغورا بیگم نے رونمائی میں اسے طلائی سیٹ دیا تھا جسے ان کی خواہش پر وہ ہر وقت پہنے رہتی تھی۔ انہوں نے عمیر سے بھی کہا تھا کہ بیوی کو طلائی سیٹ وغیرہ لا کر دو۔ عمیر بھلا اس کے لیے طلائی سیٹ لاتا۔ سو یونہی بہانے کر کے ٹالتا رہتا۔

ادھر گونگی اسے بالکل پسند نہیں کرتی تھی، خالہ جان کے سامنے تھوڑی بہت رواداری برتتی تھی مگر ان کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی ایسی غیر اور اجنبی بن جاتی کہ عمیر کو کچھ کہنے کی ہمت ہی نہ پڑتی تھی ادھر صغورا بیگم اس کی سلیقہ مندی اور مستعدی دیکھ کر کہتیں۔

"ہائے افسوس کیسی پیاری بچی ہے مگر اس کے گونگے پن نے اس کی ہر خوبی پر پانی پھیر دیا ہے وہی مثل ہے۔ مور ناچتے ناچتے اپنے پیروں کی طرف دیکھتا ہے تو روتا ہے۔"

"جی ہاں خالہ جان! کبھی کبھی یہ خیال مجھے بھی افسردہ کر دیتا ہے۔"

عمیر مسکینی سے کہتا۔ لڑکی اس سمے باورچی خانے میں تھی اس لیے صغورا بیگم کھل کر بات کر رہی تھیں۔

"اے خرم بیٹے! کیا تمہاری کنٹری بیونٹ میں گونگے پن کا کوئی علاج نہیں کیا آپریشن سے بھی کیا یہ خامی دور نہیں کی جا سکتی۔"

انہوں نے خرم سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

خرم اس اچانک سوال پر سٹپٹا سے گئے۔

"کی تو جا سکتی ہے مگر یہ کام اتنا آسان نہیں امی جان۔ اس میں بہت وقت لگتا ہے۔ پہلے باقاعدہ چیک اپ ہو گا پھر مختلف طبی امتحانوں سے گزارا جائے گا۔ اس کے بعد رپورٹ کے نتائج معلوم کرنے کے بعد ہی آپریشن کیا جا سکے گا اور آپریشن کے بعد بھی یقینی طور پر کہا نہیں جا سکے گا کہ گویائی بحال بھی ہو گی۔"

صغورا بیگم نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ مگر عمیر پر ایک جھنجلاہٹ سی طاری ہو گئی۔ آخر کس وجہ سے خرم پہلو تہی سے کام لے رہے ہیں یہ تو پہلے سے ہی بالی پر پانا باندھتا ہوا کچھ معلومات نہیں کیں اور کہہ دیا کہ آپریشن گویا ممکن ہی نہیں۔ اب جو یہ خالہ جان

نے اس گونگی کو میری بیوی کی حیثیت سے ملوایا ہے تو وہ گھاریاں پہنچتے ہی میرے سارے کنبے میں اعلان کرا دیں گی کہ میں نے ایک گونگی اور بے سہارا لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ یہ خبر امی اور ابو کے لیے کسی سانحے سے کم نہ ہو گی۔ امی تو میری شادی کے معاملے میں سب سے یہی کہتی ہیں۔ کہ پہلے اس کی دونوں بہنیں اپنے اپنے گھروں کی ہو جائیں پھر اس کی شادی کروں گی۔ گویا میری تو مفت میں شامت ہی آجائے گی۔ حد ہو گئی حماقت کی بھی۔ جو میں نے خرم کی گیدڑ بھبکیوں میں آکر خوامخواہ یہ مصیبت اپنے سر لے لی۔ پھر جونہی عمیر کو خرم سے بات کرنے کا موقع ملا تو اس نے خرم سے پوچھا۔

"یہ تم نے چچی جان کے مشورے کو ٹال کیوں دیا۔ جبکہ آپریشن ناممکن تو نہیں ہے۔"

"لیکن وقت ہی نہیں اس میں پیسہ بھی درکار ہے اور میں تو ایسے آپریشن کا ایکسپرٹ نہیں ہوں۔" خرم قدرے الجھن سے بولے۔

"اگر کوئی اور ہو تو اس سے بات کر کے دیکھ لو۔ ویسے تو بہت کار ثواب اور کار خیر کرتے رہتے ہو۔"

"نہیں بھئی، اس حد تک کسی کار ثواب اور کار خیر میں حصہ لینا نہیں چاہتا۔ تم کو اگر ایسی ہمدردی ہے تو تم خود بات کر کے دیکھ لو۔" خرم نے نروٹھے پن سے کہا۔

"ہاں ہاں، میں دل و جان سے تیار ہوں۔ مگر تمہارے اندازے سے کتنی رقم درکار ہو گی۔" عمیر نے پوچھا۔

"کم و بیش تیس چالیس ہزار۔" خرم نے بتایا۔

"ہونے دو۔ پروا نہیں۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈرنا۔"

"سنو عمیر!" خرم جو اس کی بات بڑے تحمل سے سن رہے تھے درشت سے لہجے میں بولے۔

"مذاق تو ایک طرف مگر میں تمہیں اس کے بارے میں آگے غلط انداز میں سوچنے نہیں دوں گا۔"

"ہیں کیا مطلب۔ یعنی سوچنا تو ایک طرف میں اس معاملے میں بہت سیریس ہوں۔"

"تم سیریس ہو نہ ہو مگر یہ سمجھ لو کہ جو کچھ چاہ رہے ہو وہ کم از کم میری موجودگی میں تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بالکل نہیں۔" خرم کے تیور ایک دم ہی بدل گئے۔

"واہ یہ تو دھاندلی ہوئی سراسر۔ یعنی اگر وہ تمہاری حفاظت میں ہے تو دوسرے کو اس کی بھلائی کرنے کا بھی حق نہیں۔ یہ تو وہی مثل ہو گئی کہ خدا تو دے نہ میں دوں۔" عمیر بگڑ کر بولا۔

"برا ماننے کی بات نہیں عمیر۔ میں کسی ایسی بات کو پسند نہیں کروں گا جو اس کی مجبوری بن جائے۔ یوں بھی وہ تمہیں بالکل پسند نہیں کرتی بڑی مشکل سے تو راضی ہوئی تھی تمہارے ساتھ یہ سوانگ رچانے کو ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ جب وہ یہاں سے چلی جائے گی تو تمہارا جو دل چاہے کر لینا۔"

خرم سمجھانے کے سے انداز میں بولے۔

"لیکن وہ تو مجھے دنیا کے خاتمے تک بھی جاتی نہیں لگ رہی۔ جب مفت ملے کھانے کو، بلا جائے کمانے کو۔ ویسے کہیں کوئی اور گڑبڑ تو نہیں۔؟"

آخری فقرہ عمیر نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"مجھ سے تو تم ایسی فضول بات کی توقع بالکل نہ رکھنا۔" خرم تیوری پر بل ڈال کر بولے۔

"کیا اس لیے کہ وہ معذور اور مفلس ہے۔ تمہارے اسٹینڈرڈ کی بالکل نہیں ہے۔" عمیر نے طنز کیا۔

"ظاہر ہے، اب میں تمہاری طرح دل پھینک تو نہیں کہ جسے دیکھا اس پر ہزار جان سے عاشق ہو گئے نہ آپس کی تفریق دیکھی نہ پوزیشن، اور سچ بات تو یہ ہے کہ تم بھی اس وقت بری طرح پھنس گئے ہو۔ ورنہ کیا میں تمہارے خیالات سے واقف نہیں ہوں۔"

خرم نے جلدی سے اپنی بات ختم کی کیونکہ طفیل کاکا ان کی چائے لے کر آگئے تھے۔ عمیر نے بھی سوچا۔ خوامخواہ کی مصیبت اپنے سر کیوں لوں۔ خرم نہیں چاہتے تو نہ سہی، اس ناٹک میں سارا ہاتھ ان ہی کا ہے اور وہی اس کے ذمے دار بھی ہیں اور اب وہی اس سے نمٹیں گے۔

*_*_*

صفورا بیگم پانچ روز بیٹے کے ساتھ گزار کر گھر واپس چلی گئی تھیں۔ان کے جاتے ہی حالات معمولات پر آگئے تھے۔کونکہ اس نے اب چادر اوڑھنا چھوڑ دیا تھا اب تو وہ بے دھڑک خرم کے سامنے آجاتی تھی اور پہلے سے زیادہ ان کا خیال رکھنے لگی تھی اور اس بات کو عمیر نے بھی محسوس کیا تھا۔ خرم ہمیشہ روگردانی اور احتراز سے کام لیتے تھے۔ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس لڑکی کو کہاں بھیجیں اور کس کے یہاں رکھیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جارہا تھا یہ مسئلہ ان کے لیے پریشانی کا باعث بن رہا تھا۔ کیونکہ ادھر سے ماں کے فون پر فون آرہے تھے کہ کسی طرح آکر لڑکی کو دیکھ لو تاکہ جلد از جلد بات پکی ہوجائے۔ کوئی بھی اپنی جوان لڑکی کو زیادہ عرصے بٹھا کر نہیں رکھ سکتا۔

اور خرم چاہ رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح اس لڑکی کو کسی محفوظ جگہ پہنچا کر والدہ کے پاس جائیں کیونکہ عمیر کی موجودگی میں اسے اکیلے چھوڑ کر نہیں جاسکتے تھے۔ آخر انہوں نے ایک لیڈی ڈاکٹر سے جو خاصی معمر تھیں اور ان سے بڑی شفقت سے پیش آتی تھیں اس کا ذکر کیا۔ تو انہوں نے ان کو ایک ایسے ادارے کا پتا بتایا جو نیا نیا کھلا تھا اور جس میں معذور لوگوں کی مفت رہائش و طعام کے علاوہ دستکاری وغیرہ بھی سکھائی جاتی تھی اور پورا پورا تحفظ بھی دیا جاتا تھا۔

تمام معاملات طے کرکے خرم گھر آئے تو آتے ہی اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ امی جان نے مجھے بلایا ہے اور میں طویل قیام کی غرض سے ان کے پاس جارہا ہوں اس لیے میں نے آپ کی رہائش کا بھی بندوبست کروادیا ہے۔ پھر انہوں نے ادارے کے بارے میں ساری تفصیلات اسے بتائیں۔ تو اس نے چہرہ جھکا کر اثبات میں سر ہلادیا۔

"خو بھی مشکرانے بھیجو بلا سر سے ٹل رہی ہے۔" عمیر نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے انگلش میں کہا۔

"تھینکس گاڈ۔" خرم بھی آہستہ سے بولے۔ پھر لڑکی سے مخاطب ہوکر انہوں نے کہا۔

"اب تو شام ہوگئی ہے۔ آپ کل اپنا سامان پیک کرلیں کیونکہ پرسوں صبح انشاءاللہ میں کلینک جاتے ہوئے آپ کو ادارے میں چھوڑ آؤں گا۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ اپنے رہائشی کمرے میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ ان کی دی ہوئی تمام چیزیں لے کر ان کے کمرے میں آئی اور انہیں ایک کونے میں رکھ کر واپس پلٹ گئی۔ عمیر نے اٹھ کر دیکھا۔ ان چیزوں میں صفورا بیگم کے دیئے ہوئے طلائی سیٹ سمیت ساری چیزیں موجود تھیں۔

"سنو' یہ بھی نخرہ ہے ایک طرح کا تاکہ تم ترس کھا کر اسے گھر میں روک لو۔" عمیر بولا۔

"ارے نہیں یہ خاصی میچور لڑکی ہے۔ ہماری دی ہوئی خیرات ساتھ لے جانی گوارا نہ ہوگی۔"

خرم نے کہا اور لباس تبدیل کرنے کی غرض سے غسل خانے کا رخ کیا۔ عمیر لباس تبدیل کرنے اپنے کمرے میں چلا آیا۔

*_*_*

اگلے روز وہ ادارے جانے کی وجہ سے ہاسپٹل نہیں گئے تھے۔ وہاں اچھی طرح اطمینان کرلینے اور سارے معاملات طے کرلینے کے بعد ہاسپٹل جانے کے ارادے سے کار میں بیٹھے تو کچھ آلات گھر پر بھول آنے کا خیال آیا اس لیے وہ گھر چلے آئے۔ گھر میں ہمیشہ کی طرح سناٹا طاری تھا۔ مگر اس سناٹے میں ایک غیر معمولی پن سا بھی محسوس ہورہا تھا۔

خرم کے دل میں ایک فاسد سا خیال آیا کہیں عمیر نہ آگیا ہو۔ اس خیال کے آتے ہی وہ دبے پاؤں اندر کی طرف بڑھے۔ ان کا کمرہ تو مقفل تھا۔ ڈرائنگ روم بھی خالی پڑا تھا البتہ ڈرائنگ روم سے ملحق اسٹڈی سے ہلکی ہلکی سرگوشیوں کی آواز آرہی تھی۔ وہ ادھر ہی بڑھ گئے بڑے محتاط انداز میں ڈرائنگ روم کا پردہ تھوڑا سا سرکا کر اندر جھانکا۔ ریسیور لڑکی کے ہاتھ میں تھا اور وہ کوئی نمبر ملا رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو کون بول رہا ہے؟۔" اور خرم پر جیسے حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"اوہ۔ تم۔؟ تم نوشی۔ ہائے وہاٹ اے پلیزنٹ

سرپرائز۔"

"ہاں ہاں۔ میں شفق ہی بول رہی ہوں۔ شکر ہے آج تم مل گئیں' ورنہ دو تین مرتبہ پہلے بھی تمہیں فون کر چکی ہوں مگر کسی نے ریسیو ہی نہیں کیا۔"

"ہاں بھئی زندہ ہوں۔ اور بڑے ٹھاٹھ سے رہ رہی ہوں گر۔"

"کہاں سے بول رہی ہوں۔ اس سے تمہیں کیا۔ بس بڑی محفوظ جگہ سے بول رہی ہوں۔ میری روح نہیں بول رہی' سمجھیں۔" اس کی نقرئی سی ہنسی پوری اسٹڈی میں پھیل گئی یوں جیسے گھنگھرو سے چھنکے ہوں۔

خرم بھاگ کر اپنے کمرے میں پہنچے اور جلدی سے ایکسٹینشن کا ریسور کان سے لگالیا۔ وہ نوشی کی بات پر ہنس رہی تھی۔

"نہیں۔ پہلے میری بات کا جواب دو کہ آخر تم رہ کہاں رہی ہو؟۔" نوشی کی آواز آئی۔

"وہ تو بعد میں پوری تفصیل سے بتاؤں گی۔ پہلے یہ تو سنو کہ میں نے کس وجہ سے تمہیں فون کیا ہے۔"

"نہیں پہلے مجھے۔"

"اُفوہ بھئی۔ اصل میں میں یہاں بڑی مشکل میں پھنس گئی ہوں۔ کیونکہ میں نے یہاں خود کو گونگا ظاہر کیا ہے اور کم بخت گونگوں کی طرح اشارے بھی نہیں کرنے آتے ایمان سے زبان کے بریک جام ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"ہائے تب تو بڑی مشکل ہوتی ہوگی بات کرنے میں۔؟"

"ہاں ابھی تو کہہ رہی ہوں۔"

"اچھا مگر تم اتنے دن کہاں رہیں۔ سچ تمہاری طرف سے تو میں مایوس ہی ہو چکی تھی۔ اور کتنا روئی تھی تمہیں یاد کر کے۔ اور ادھر ان ذلیل لوگوں نے تمہارے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ کسی کے ساتھ فرار ہو گئی ہو۔ مجھے تو بالکل یقین نہیں آیا۔ مگر تمہیں وہاں سے نکلنے کا موقع کیسے ملا۔؟"

"یہ بڑی طویل داستان ہے؟ مگر وہ لوگ ہر بات کہنے میں حق بجانب ہیں کیونکہ ان کے ناپاک منصوبوں پر پانی جو پھیر کر آئی ہوں۔"

"مگر تم چلی کیوں گئیں جس طرح اب تک نبھایا تھا اسی طرح کچھ دن اور نبھا دیتیں۔"

"کیسے نبھا دیتی۔ ان لوگوں نے خود ہی اس کا موقع نہیں دیا۔ انہوں نے زبردستی مجھے اس لوفر کے حوالے کر دیا تھا اور جبرا" مجھے پک اپ میں بٹھا کر اس کے ساتھ کہیں بھیج رہے تھے تاکہ اس گاؤں میں لے جا کر وہ مجھ سے نکاح کر لے۔ مگر میں بھی اپنے نام کی ایک ہی ہوں۔ شام ہوتے ہی ایک جگہ پک اپ رکی تو میں چپکے سے پک اپ سے اتری اور ایک طرف بھاگ پڑی۔ اور گویا اپنی جان پر کھیل کر یہاں پہنچی ہوں۔"

"کہاں؟۔"

"جہاں سے بول رہی ہوں۔"

"اچھا نہیں بتانا چاہ رہیں۔ خیر۔ کسی نے سچ کہا ہے سوتیلی ماں کے آنے کے بعد باپ بھی سوتیلے بن جاتے ہیں۔ مجھے تو ماما جی پر تعجب ہے' سارا کچھ تمہارا ہوتے ہوئے بھی انہوں نے تمہیں ہر چیز سے محروم کر دیا ہے۔ پتا نہیں ماما کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ ایسی زن مریدی بھی اچھی نہیں ہوتی۔"

"ہاں الس جسٹ مائی لک۔ مائی مس فورچون۔ (ہاں یہ میری قسمت۔ میری کم نصیبی۔) اب قسمت کا شکوہ تو کسی سے بھی نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ کتنی ہی بری ہو۔"

"ارے نہیں' تم اتنی مایوس کیوں ہو گئیں۔ تمہارے لیے تو کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور وہ آصف بھائی تو آج بھی تم سے امید لگائے بیٹھے ہیں۔ کیا کمی ہے ان میں' خوبصورتی قابلیت اور حیثیت سب ہی تو ہے ان کے پاس۔ نہ جانے تم کیوں ان سے خار کھائی ہو۔"

"ارے چھوڑو' تم یہ کیا فضول موضوع لے کر بیٹھ گئیں' اس وقت تو میں بہت جلدی میں ہوں۔ میں پھر کسی دن تم سے رابطہ قائم کروں گی۔ تم مل گئیں' یہی کیا کم ہے اور ہاں ابو جی کو بتا دینا کہ شفق ابھی زندہ ہے اور بڑے ٹھاٹھ سے رہ رہی ہے۔ آپ کے گھر سے بھی زیادہ محفوظ۔"

"اچھا وہ تو میں بتا دوں گی۔ مگر تمہیں فون کرنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ صرف اتنا ہی بتا دو کہ وہ کون اور کیسے لوگ ہیں جن کے پاس تم رہ رہی ہو۔؟"

"بہت ہی اچھے اور عظیم لوگ ہیں' یوں محسوس ہوتا ہے جیسے فرشتہ بناتے بناتے خدا نے انہیں انسان بنا دیا ہو۔ بہت اسمارٹنگ سے بھی ہیں سچ میرا دل تو ہر دم انہیں عقیدت کے سجدے کرتا رہتا ہے۔"

"وہ سمجھ گئی بلاوجہ تمہارا اجنبی لوگوں میں رہنا کسی مصلحت کے تحت بھی ہو سکتا ہے ویسے کیا وہ سنگل ہے؟"

"ہاں حسن اتفاق سے سنگل ہے یعنی ان کو تھورا ئزڈ ہے اپنے گھر کا بادشاہ۔"

"تب تو ضرور کوئی گڑبڑ ہے چلو اچھا ہے' کسی طرح تمہاری زندگی تو بنے۔"

"ارے پاگل ہو گئی ہو کیا۔ کہاں وہ اتنی عظیم شخصیت اور کہاں میں بے حیثیت اور بے سہارا لڑکی' ویسے بھی اس کے خیالات بہت اونچے ہیں اور پھر وہ میرا محسن تو مجھے معذور اور جاہل مطلق سمجھتا ہے اور اس کی تو ایک طرح سے بات بھی پکی ہو گئی ہے۔ بڑی پیاری لڑکی ہے جسے اس کے لیے سلیکٹ کیا گیا ہے۔ اف توبہ میں تمہاری بکواس میں بھول ہی گئی۔"

"کیا؟۔"

"یہی کہ جس ارادے سے فون کیا تھا۔ وہ دراصل میں یہ معلوم کرنا چاہ رہی تھی کہ تم مستقلا" لاہور ہی میں رہ رہی ہو؟۔"

"ظاہر ہے لاہور ہی میں ہوں۔ پنڈی تو کبھی کبھی جاتی ہوں سنو اگر تمہارا وہ تمہیں اجازت دے تو میرے پاس چلی آؤ۔ سچ میں نے بھی ماہی کو مزانہ چکھایا تو میرا نام بھی نوشابہ نہیں۔ آخر یہ لاء کی ڈگری یونہی تو نہیں لی۔"

"ہاں یہ تو میں بھی جانتی ہوں اور تمہارے پاس آنے کی غرض سے ہی تمہیں فون کیا ہے۔"

"ہائے تو فورا" چلی آؤ۔ ویسے کیا وہ تمہارا محسن تمہیں اجازت دے دے گا۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ وہ چاہتا بھی یہی ہے۔"

"سچ۔ تب تو بڑا ظالم ہے۔"

"یہی تو رونا ہے کہ ظالم نہیں ہے' البتہ بے حس ضرور ہے۔"

"خیر چلو ہو گا۔ بس تم کسی طرح جلدی سے آجاؤ۔ آج کل نوید بھی مڈل ایسٹ گئے ہوئے ہیں اور میں گھر میں اکیلی ہوں مگر تم کب تک پہنچ سکو گی۔"

"بس پرسوں تک۔ اصل میں' میں یہاں اتنی دور سے پیدل چل کر تو لاہور آنہیں سکتی اور اس سے کچھ مانگتے ہوئے شرم آتی ہے کہ اس نے تو پہلے ہی کافی خرچ کیا ہے مجھ پر؟۔"

"ارے تمہارے لیے پیسے کی کیا کمی ہے' تم اپنا ایڈریس بھیج دو۔ آج ہی روانہ کر دوں گی۔"

"نہیں شکریہ۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ تمہارے پاس پہنچنے کے لیے میں چوری سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔ اور وہاں پہنچتے ہی اس کے پیسے واپس بھیج دوں گی بلکہ جب مجھے میرا پیسہ ملے گا تو اس نے جو کچھ بھی مجھ پر خرچ کیا ہے وہ بھی اسے واپس کر دوں گی۔ ہائے توبہ۔ تمہاری باتوں میں بھول ہی گئی کہ کال کا بل کتنا زیادہ ہوتا جا رہا ہے اسے معلوم ہو گیا تو بھلا کیا سوچے گا۔"

"کیوں کیا وہ کنجوس ہے۔؟"

"دیکھو بھئی' اس کے بارے میں غلط بات سننے کی مجھے تاب نہیں وہ اگر کنجوس ہوتا تو اتنے آرام سے مجھے نہ رکھتا۔"

"بس تو پھر ادھر بھی کچھ گڑبڑ ضرور ہے ورنہ بلاوجہ تو کوئی کسی کو آرام سے نہیں رکھتا۔"

"ارے نہیں ایسی دور تک کوئی بات نہیں' یقین جانو اس کا ہر جذبہ بے لوث ہے۔ اچھا اب باقی باتیں لاہور آکر ہوں گی۔ بس تم میرا انتظار کرو اور کے خدا حافظ۔"

ادھر اس نے ریسیور رکھا اور ادھر خرم ہاتھ میں ریسور اٹھائے یوں کھڑے رہ گئے جیسے انہوں نے جاگتے میں ہوش و خرد کو ناکارہ کر دینے والا خواب دیکھا ہو۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر دل آمادہ ہوتا نظر آرہا تھا نہ دماغ۔ مگر خود اپنے کانوں سے اس کی آواز سنی

تھی اسے بات کرتے سنا تھا۔ بلکہ اسے نوشی سے بات کرتے دیکھ بھی لیا تھا۔ اور یہ سوچ سوچ کر انہیں نہ صرف سخت کوفت ہو رہی تھی بلکہ غصہ بھی آرہا تھا کہ اس لڑکی نے گونگی بن کر انہیں سخت بے وقوف بنایا ہے۔ جبکہ وہ بڑی لکھی بھی ہے اور وہ اور عمیر انگلش میں جو گفتگو کیا کرتے تھے وہ بھی یہ اچھی طرح سمجھ لیتی ہوگی۔ تو یہ صلہ دیا ہے اس نے میری ہمدردی اور خدا ترسی کا۔ عمیر کا خدشہ درست ہی نکلا کہ جب وہ سن سکتی ہے تو بول بھی لیتی ہوگی۔"

پھر انہیں کئی باتیں یاد آگئیں۔ کئی مرتبہ انہوں نے اسے اخبار اور انگریزی رسالوں کی ورق گردانی کرتے دیکھا تھا تو وہ یہی سمجھے تھے کہ وہ تصویریں دیکھ رہی ہوگی۔ اسی طرح ایک دن چائے کا جوش کھاتا پانی ہاتھ پر گر جانے کی وجہ سے اس کے منہ سے نکلا تھا۔ "ہائے اللہ۔" اور یہ بات رحمت علی کی بیوی نے انہیں بتائی تھی مگر وہ اسے رحمت علی کی بیوی کا وہم سمجھے تھے۔ مگر اب تو خود اپنی آنکھوں سے اسے ریسیور کانوں سے لگائے نوشی سے بات کرتا دیکھ کر ان کے بے لوث جذبے کو زبردست ٹھیس پہنچی تھی جسے زبان زد عام میں ہمدردی اور خدا ترسی کہا جاتا ہے۔ اور اس وقت تو خود وہ ادارے والوں سے سارے معاملات طے کر کے اس لیے گھر آئے تھے کہ اسے اس کے اخراجات کے لیے کچھ رقم بھی دے دیں گے تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ واقعی اس گھر سے جا رہی ہے۔

مگر وہاں تو بات ہی کچھ اور نکلی۔ گو انہیں خوش ہونا چاہیے تھا کہ ادارے میں نہ سہی وہ لاہور میں اپنی کسی کزن کے پاس جانے کی ٹھان چکی ہے اور اس طرح ان پر سے اس کی ذمہ داری بھی ختم ہو جائے گی یعنی ہمیشہ کے لیے اس سے انہیں گلو خلاصی مل جائے گی۔ مگر انہیں خوش ہونے کے بجائے سخت غصہ آرہا تھا۔ وہ ریسیور ہاتھ میں تھامے بڑی اشتعال انگیز کیفیت میں سن سے کھڑے تھے۔ ناگواری اور برہمی نے ان کے وجیہہ چہرے پر تناؤ سا پیدا کر دیا تھا پھر اچانک ان کے جسم میں حرکت سی پیدا ہوئی۔ ریسیور کو کریڈل پہ

پٹخ کر وہ تیزی سے باہر نکل آئے۔ اصل میں انہیں ایسے لوگوں سے سخت نفرت تھی جو دوسروں کی نرمی اور سادہ لوحی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس لڑکی نے نہ صرف فائدہ اٹھایا تھا بلکہ بیک وقت انہیں اور عمیر کو الو بھی بنایا تھا۔ ان کے خیال میں ایسی لڑکیاں جو والدین اور خاندان کی رسوائی کا باعث بنتی ہیں۔" معاشرے کی پیشانی پر بدنما داغ ہوتی ہیں جب کہ شریف لڑکیاں تو اپنی روایات' آن بان اور عزت کی خاطر اپنی جان پر کھیل جاتی ہیں 'مگر یہ کیسی لڑکی ہے بظاہر بہت شریف اور باکردار ہے' گھر سے باہر قدم نکالتے ہوئے ذرا خوف نہیں آیا۔ اس نے کتنے ڈرامائی انداز میں مجھے اور عمیر کو فریب دیا ہے۔ خود کو زخمی 'لاوارث اور معذور ظاہر کر کے میری ہمدردیاں جیتیں اور پھر میرے ہی گھر میں دھرنا دے کر بیٹھ گئی۔ مکار لڑکی 'کس خوبصورتی سے میری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی' لیکن میں بھی اسے مزہ چکھائے بغیر نہ رہوں گا۔

تیزی سے اسٹڈی کا رخ کرتے 'اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے ہوئے بلکہ سخت غیض و غضب کے عالم میں وہ پینٹری میں پہنچے جہاں اس کی موجودگی کا امکان تھا مگر وہ وہاں سے بھی چلی گئی تھی۔ اور یوں اسے بے نقاب اور خوار کرنے کے ارادے کو بھی جیسے بریک لگ گئے۔ وہیں اسٹڈی میں کھڑے ہو کر تھوڑی دیر انہوں نے کچھ سوچا۔ پھر اپنے کمرے میں آکے اسے مقفل کر کے اپنی کار لے کر کہیں چلے گئے' اور ادھر گونگی نے جس کا نام واقعی شفق تھا انہیں آتے نہیں تو جاتے ضرور دیکھ لیا مگر اسے گمان تک نہ گزرا کہ وہ اس کی ساری گفتگو سن چکے ہیں اور اسے مزہ چکھانے کا ارادہ کیے بیٹھے ہیں۔

انہوں نے اس سے کہا تھا کہ اگلے دن اسے ادارے جانا ہوگا کیونکہ انہوں نے اس کی رہائش وغیرہ کا وہاں بندوبست کر دیا ہے اور اسے تیار رہنے کی تاکید بھی کی تھی۔ وہ بھلا کیا تیاری کرتی وہی سوٹ جس کو پہن کر آئی تھی اور سفید چادر اس کا تو کل یہی سامان تھا۔ اور یہی سوچ کر کہ ادارے میں جا کر وہ بالکل ہی مقید نہ

ہو جائے اس نے اپنی کزن کو لاہور فون کیا تھا گو کہ وہ پہلے بھی دو تین مرتبہ کوشش کر چکی تھی مگر کزن کے یہاں کسی نے اٹھایا ہی نہ تھا بہر حال اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ وہ اگلے دن علی الصبح ہی اس گھر سے چلی جائے گی۔ اصل میں سارا مسئلہ پیسے کا تھا کہ اس کے پاس تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی پھر بھلا وہ پیدل چل کر تو لاہور نہیں جا سکتی تھی۔ اور اس نے یہی سوچ لیا تھا کہ وہ خرم کے بٹوے ہی سے پیسے چرائے گی۔

--*

سہ پہر ڈھل رہی تھی جب خرم نے گھر میں قدم رکھا۔ عمیر بھی کچھ دیر قبل ہی ڈیوٹی سے واپس آیا تھا۔ خرم نے غسل کے بعد لباس تبدیل کر کے لاؤنج کا رخ کیا۔ عمیر بھی کچھ دیر بعد وہیں آگیا۔ طفیل کاکا ان کے لیے چائے لائے تو خرم نے بڑی ناگواری سے کہا۔

"طفیل کاکا! آپ کیا اب اتنے فالتو ہو گئے کہ ہر کام دوڑ دوڑ کر کرتے ہیں' آئندہ سے آپ چائے نہیں لائیں گے۔ سمجھے آپ؟"

اور طفیل کاکا نے تعجب سے ان کی طرف دیکھا مگر کچھ بولے نہیں بلکہ خاموشی سے کچن کا رخ کیا۔

خرم خود بھی اٹھ کر ان کے پیچھے پینٹری میں آگئے جہاں اتفاق سے وہ بھی موجود تھی۔ انہوں نے بڑے درشت لہجے میں اس سے کہا۔

"یہ طفیل کاکا اتنے فالتو ہیں کہ اس عمر میں بھی بھاگ بھاگ کر کام کریں اور تم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہو' چلو طفیل کاکا کا جا کر ہاتھ بٹاؤ۔"

اتنا کہہ کر وہ پینٹری سے باہر نکلے اور وہ حیران و ششدر سی انہیں جاتا دیکھتی رہ گئی۔ شروع شروع میں تو جب وہ بھاگ بھاگ کر سارے کام انجام دیتی تھی تو وہ کہتے تھے۔ "یہ طفیل کاکا کو فارغ کر دیا ہے آپ نے جو وہ کوئی کام ہی نہیں کرتے۔ سارے کاموں کا بوجھ آپ پر ہی ڈال دیا ہے انہوں نے۔" اور آج ان کے تیور اور لب و لہجہ ہی دوسرا تھا۔ جیسے اس سے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہو گیا ہو۔ خرم کے جاتے ہی وہ سیدھی کچن میں پہنچی تو طفیل کاکا نے اس کی اتری اتری صورت دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

"برا نہیں مانو بٹی! آج میاں صاحب کا مزاج خراب لگتا ہے۔ اصل میں بے بے جی نے انہیں بلایا ہے کل۔ چھٹی نہیں مل رہی ہوگی یا پھر کوئی بڑا آپریشن ہوگا۔ خیر تم جلدی آٹا گوندھ دو۔ کیونکہ گندھا آٹا دیر تک رکھا رہے تو پھلکے بہت اچھے پکتے ہیں۔ اور ہاں ذرا دیر تک ہی لگانا۔"

اور وہ دل ہی دل میں خود کو مجرم تصور کرتی آٹا گوندھنے لگی کہ دل تو بالکل نہیں چاہ رہا تھا کوئی کام کرنے کو مگر اس نے سوچا کل تو یہاں سے رفو چکر ہونا ہی ہے۔ پھر کیوں نہ چلتے چلتے طفیل کاکا کا دل خوش کر دوں۔ آہستہ آہستہ دھوپ سمٹتی جا رہی تھی اور شام ہونے کو تھی۔ وہ اپنے رہائشی کمرے میں آکر آئندہ کے لیے منصوبے بنانے لگی۔ ماں باپ سے نمٹنے کی بھی اس نے ہمت کر لی تھی اور لوگوں کے لعن طعن سننے کی بھی۔ اسے اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس نے ایک غلط حرکت کی ہے۔ بہت ہی غلط۔ مگر اس کے سوا کوئی چارہ ہی نظر نہ آیا تھا۔ اس لیے اپنی اس حرکت کو وہ غلطی اور نادانی پر محمول نہیں کرتی تھی بلکہ درست ہی مانتی تھی۔

رات کے کھانے کا وقت ہوا تو طفیل کاکا نے اسے آواز دے لی۔ اصل میں کھانے کی میز بھی وہی لگاتی تھی اور طفیل کاکا جو گرم گرم پھلکے توے سے اتارتے تھے وہ بھی وہی میز پر پہنچاتی تھی حالانکہ صغورا بیگم کے آنے اور جانے کے بعد خود خرم نے اسے منع کر دیا تھا کہ "آپ یہ کام نہ کیا کریں طفیل کاکا خود لے آئیں گے۔" مگر منع کرنے کے باوجود بھی کبھی لے ہی آیا کرتی تھی۔ اس روز بھی وہ پھلکے لے کر گئی تو عمیر بولا۔

"ارے آپ نے پھر یہ تکلف کرنا شروع کر دیا حالانکہ آپ کو کتنا منع بھی کیا ہے۔"

خرم ہاتھ دھو کر میز کا رخ کر رہے تھے۔ انہوں نے سن سب لیا مگر بولے کچھ نہیں۔

"آیئے اب آپ آرام سے کھانا کھائیے۔ پھلکے بھی آتے رہیں گے۔" عمیر نے بڑی لگاوٹ کا اظہار کرتے ہوئے لڑکی سے کہا۔

مگر وہ بیٹھی نہیں بلکہ سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔ البتہ خرم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے عمیر سے کہا۔

"تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے عمیر۔"

"میرے لیے۔؟" عمیر نے بے یقینی کے سے انداز میں کہا۔

"ہاں تمہارے لیے اور شاید ان کے لیے بھی۔" خرم نے اس کی طرف دیکھ کر زہر خندے کہا۔

"تو کسی طرح سنا بھی چکو۔ خوش خبری ہے کوئی آفیشل خبر تو نہیں جو چھپانا چاہ رہے ہو۔" عمیر قدرے چڑ کر بولا لڑکی بھی متجسس نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"دراصل ان کے آپریشن کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے۔ اور اسپیشل وارڈ میں ایک کمرہ بھی مل گیا ہے۔" اور اپنی طرف ان کا اشارہ دیکھ کر لڑکی کا رنگ فق ہو گیا۔

"ہائیں کیا واقعی تم سیریس ہو۔ کیا ایسا ممکن ہے۔" عمیر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ لڑکی بھی سہمے سہمے انداز میں ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔ خرم نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولے۔

"اصل میں آج بڑا عجیب اتفاق ہوا۔ جس ادارے میں ان کی رہائش کا بندوبست ہے۔ وہیں گونگوں اور بہروں کے ایک ماہر سرجن مل گئے۔ ان سے میں نے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ لڑکی جب سن سکتی ہے تو بول بھی لے گی بس اس کا ایک آپریشن کرنا پڑے گا۔ آپ کا جب دل چاہے لڑکی کو یہاں لے آیئے۔ میں نے کہا۔ لڑکی تو کل یہاں آرہی ہے مگر آپ کو کتنا عرصہ لگے گا اس کا آپریشن کرنے میں تو وہ بولے کہ صرف تین دن۔" میں نے سوچا اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا میں نے فوراً "ہاں" بھر لی۔"

"واہ یہ تو تم نے گویا ایک مرحلہ سر کر لیا۔ مگر جہاں تک میرا خیال ہے وہ مفت میں آپریشن تو نہیں کریں گے۔"

"نہیں بھئی۔ کوئی خیراتی ہسپتال کے انچارج تو نہیں ہیں وہ۔ وہ تو حسن اتفاق سے وہاں موجود تھے اس لیے ان سے بات ہو گئی۔ البتہ ان کے چارجز اتنے زیادہ نہیں ہیں بس یہی کوئی پچیس تیس ہزار کے لگ بھگ ہوں گے۔"

"ہائیں پچیس تیس ہزار۔ کیا یہ بہت نہیں ہوں گے؟۔" عمیر نے آنکھوں کو پھیلا کر کہا۔

"یا تو یا اتنا آپریشن آپریشن کر رہے تھے اب فیس کا سن کر رسیاں ہی تڑانے لگے۔"

"نہیں بھئی رسیاں تڑانا کیسا، میں تو دل و جان سے یہی چاہ رہا تھا بلا سے جتنی بھی لاگت آئے۔" اور عمیر کے لاگت آئے کہنے پر خرم کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر تم ذرا ان سے بھی تو پوچھو۔ دیکھو بے چاری کی حالت کتنی غیر ہو رہی ہے کہ کرسی پر بیٹھنا بھی بھول گئیں۔" خرم نے اسے اس قدر سراسیمہ اور بدحواس سا دیکھ کر کہا۔

"نہیں بھلا انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ خاصی سینسبل ہیں اچھی طرح سمجھ رہی ہوں گی کہ ہم یہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں ان کے بھلے کو ہی کر رہے ہیں۔"

عمیر نے اس کی متغیر ہوتی کیفیت کو دیکھ کر گویا اس کی ڈھارس بندھائی۔

"خیر تم تو مسلسل ان کی بھلائی کا ہی سوچے جا رہے ہو مگر گویائی بحال ہونے کی صورت میں کیا تم انہیں اپنانے کا خیال چھوڑ دو گے۔؟"

خرم نے مسکینی سی شکل بنا کر پوچھا تو عمیر دل ہی دل میں انہیں کوسنے لگا کہ انہوں نے ہمدردی میں آکر سارا بھانڈا پھوڑ دیا۔ جز بز ہو کر بولا۔

"بھئی اس بات سے تمہیں کیا غرض۔ تم تو ان کے آپریشن کی بات کرو۔"

"بھئی کہہ تو دیا کہ پرسوں ہو گا ان کا آپریشن۔ اب کیا اسٹیمپ پیپر پر لکھ کر دوں۔ مگر اتنا سمجھ لو کہ ان سے پوچھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ حتیٰ کہ ان سے تمہاری شادی کے معاملے میں بھی نہیں۔"

خرم نے ایک اور بم پھینکا۔ وہ بھی دل کھول کر اس سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔

"کیوں بھئی مس شفق! کیا خیال ہے آپ کا آپریشن کے بارے میں۔؟" انہوں نے براہ راست لڑکی سے سوال کیا۔ اس نے اپنی اشکبار آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا اور نفی میں گردن ہلانے لگی۔

"میں نہ کہتا تھا کہ یہ راضی نہیں ہوں گی۔ اصل میں بہت غیور اور نکیلی ہیں ہمارے احسانات کے بوجھ میں مزید دبنا نہیں چاہتیں۔" انہوں نے ایک اور چرکا سا لگایا۔

"ارے نہیں۔ آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ بلکہ ڈرنے کی کوئی بات ہی نہیں۔ اصل میں اسی میں آپ کی بھلائی مضمر ہے' اس لیے ہم آپ کا آپریشن کرانے پر مجبور ہیں۔" عمیر نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بے حد نرم اور شیریں لہجے میں کہا۔

"ہاں واقعی آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کو گویائی مل جائے گی۔ اب ڈاکٹر اگر مریضوں کی مرضی دیکھتے رہیں تو ہو گئی ان سے خدمت خلق خدا۔ ویسے اس آپریشن میں بے ہوش کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اگر وہ زبان کاٹیں گے بھی ۔۔۔ تو خیر آپ بالکل نہ گھبرائیے۔"

"اب بھلا یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ ۔۔۔ بے ہوش نہیں کرتے' اس طرح تو یہ اور بھی بدک جائے گی۔ تم واقعی سخت کھامڑ انسان ہو۔"

"ارے چھوڑو ان ساری نزاکتوں کو' اب بدکے یا انکار کرے۔ آپریشن تو ہو کر رہے گا۔"

خرم نے اس کی بات لاپروائی میں اڑاتے ہوئے انگلش میں ہی جواب دیا۔ اور شفق کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"مگر تم تو کل پنڈی جا رہے تھے۔ کیا ارادہ بدل دیا؟۔" عمیر نے انگلش میں پوچھا۔

"ہاں بالکل' تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میں فرض کی ادائیگی کو بہرحال مقدم رکھتا ہوں ۔۔۔ دو دن بعد چلا جاؤں گا۔" خرم نے جواب میں کہا۔

"مگر وہ خالہ جان نے جو وہاں تمہارے بردکھوے کا بندوبست کر رکھا ہے اس کا کیا ہو گا۔؟"

"وہ بھی میرے جانے تک ملتوی ہو جائے گا۔"

خرم لاپروائی سے بولا اور پھر لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"اب آپ یہ کریں کہ کل دوپہر تک کچھ کھائیں پئیں نہیں' اصل میں میرے پاس وقت نہیں ورنہ یہ آپریشن دو تین دن بعد بھی ہو سکتا تھا مگر خیر کار خیر میں دیر نہیں کرنی چاہیے' مزید یہ کہ ڈاکٹر نے تاکید کی ہے کہ جس قدر ممکن ہو سکے۔ کام کرتی رہیں۔ مگر اب تو رات ہو گئی ہے خیر کل دیکھا جائے گا۔"

انہوں نے پلیٹ میں کھانا ڈالتے ہوئے کہا اور شفق چھلکے لانے کے بہانے ڈرائنگ روم سے نکل گئی مگر باہر نکلتے نکلتے اس نے سن لیا۔ خرم بڑے رازدارانہ لہجے میں عمیر سے کہہ رہے تھے۔

"ویسے آج ہی معلوم ہوا ہے کہ پوری زبان کاٹ کر باہر نکالی جاتی ہے پھر ڈسٹلڈ واٹر میں دھو کر دوبارہ فٹ کی جاتی ہے اور اس ساری کارروائی میں بے دریغ خون ضائع ہوتا ہے شاید اس لڑکی کو خون دینے کی ضرورت پڑ جائے۔ تمہارا خون تو یونیورسل پول ہے نا۔؟"

"میں میرا خون؟ یعنی کہ میرا خون لیا جائے گا اوہ ڈیمس نوٹ پاسبل (یہ ممکن ہی نہیں ہے) عمیر یوں بدکا جیسے سرکش گھوڑے کو کوئی چابک مارتا ہے تو وہ بدک پڑتا ہے۔

"ارے بھئی' عجیب انسان ہو جب اتنا زیادہ پیسہ بہانے پر تیار ہو شادی کرنے کی آرزو رکھتے ہو تو تم سے اتنی سی قربانی بھی نہیں دی جا سکتی۔"

خرم' عمیر کی گھبراہٹ سے حظ اٹھاتے ہوئے بولے۔

"ہو نہ یہاں رہے گا ہی کون جو یہ سب ہو گا' میں نے تو پہلے ہی سوچ لیا ہے کہ علی الصبح ہی یہاں سے روانہ ہو جاؤں گی۔"

شفق نے اپنے لرزتے ہوئے دل کو دلاسا دیا مگر پھر بھی خرم کی باتوں کا خیال آتا رہا اور پوری ہی رات خوف کھاتے ہوئے گزری۔

اور اسی خوف میں اس سے رات کا کھانا بھی کھایا نہ گیا تھا۔ اس پر خرم نے اسے سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ کچھ کھائے نہ پیے وہ ساری رات سو بھی نہیں

سکی تھی۔ خالی پیٹ اینٹھتا سا رہا تھا۔

اس نے صبح ہوتے ہی وہاں سے کھسک جانے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا مگر کوشش کے باوجود اسے فرار ہونے کا موقع ہی نہ مل سکا کہ اول تو مین گیٹ کے آگے رحمت علی کیاری کے پاس بیٹھا کھدائی کر رہا تھا اور گیٹ پر بھی اتنا موٹا تالا پڑا تھا۔ دوسرے عقبی برآمدے میں ہلکے پاور کا بلب جلائے اپنی چارپائی پر طفیل کاکا بیٹھے تسبیح کے دانوں پر کچھ پڑھ رہے تھے۔

اس پر خرم کے کمرے کی لائٹ بھی جل رہی تھی وہ اگر اونچی باؤنڈری وال پھلانگ کر بھی بھاگتی تو صاف پکڑی جاتی۔ اس پر مستزاد ایک پائی بھی اس کے پاس نہ تھی تا کہ لاہور تک جانے کے پیسے' لیکن وقت تھا کہ اڑا جا رہا تھا اچھا خاصا دن نکل آیا تھا۔

خرم ہاسپٹل جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے اور وہ چاہ رہی تھی کہ ان کے جانے سے پہلے ہی وہ کسی طرح اس گھر سے نکل جائے کیونکہ یہ بھی امکان تھا کہ خرم کہیں اسے اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ عمیر اس روز گھر پر ہی تھا۔

خرم ہاسپٹل جاتے تو ہمیشہ اپنا کمرہ مقفل کر کے جاتے تھے اور شروع شروع جب اس نے گھر کا کام سنبھالا تھا تو وہ اس وقت جلدی جلدی ان کے کمرے کی صفائی کر دیتی تھی جب وہ غسل خانے میں ہوتے تھے مگر اب تو صغرا بیگم کے آنے کی وجہ سے اس نے یہ سارے کام تقریباً" چھوڑ دیئے تھے۔

بہرحال وقت بہت کم تھا اور شفق کے لیے گویا یہ آخری موقع تھا کچھ کر گزرنے کا' ورنہ اسے کھو دیتی تو پھر بے ہوش کیے بغیر زبان کی کٹائی دھلائی اور الٹی کر کے فائی اور ڈھیروں خون' عمیر کا خون' اف چاروں طرف خون ہی خون' وہ دبے پاؤں خرم کے کمرے میں آئی تو کچھ دہشت زدہ ہو کر ان ہی خطرات میں گھری سوچتی رہی۔ اف چوری کرنا بھی کچھ آسان کام نہیں ہوتا' دل میں تو جیسے پنکھے سے لگ گئے تھے اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے کسی دم بھی اچھل کر حلق میں آ جائے گا گو خرم اس وقت غسل خانے میں تھے مگر کسی طرح ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی اور یہی آخری

موقع تھا اور موقع کی نزاکت کے پیش نظر اس کے قدم خود بخود الماری کی طرف بڑھ گئے جو حسن اتفاق سے کھلی ہوئی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے جلدی جلدی درازوں کو ٹٹولا تو ایک چور دراز میں خرم کا بٹوہ رکھا نظر آیا۔ اس نے اسے کھولا' اس میں پانچ سو اور ہزار ہزار کے نوٹ بھرے ہوئے تھے اس نے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر جلدی سے بٹوے کو پھر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

اور نوٹ کو مٹھی میں دبائے تیزی سے مڑی ہی تھی کہ کسی سے بری طرح ٹکرا گئی۔ اف مارے خوف کے آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ دھڑکنیں رکتی سی محسوس ہوئیں عجیب گدلائی گدلائی سی نظروں سے اس نے ٹکرا جانے والے کی طرف دیکھا' وہ خرم تھے جو بڑی کڑی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ہوں تو ہاتھ کی صفائی میں بھی ماہر ہو' میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم مجھ کو جل دے کر بھاگ نکلو گی مگر اس کا تو مجھے گمان تک نہ تھا کہ تم میرے پیسے چراؤ گی۔"

خرم نے اتنے ملامت بھرے لہجے میں کہا کہ اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ جی چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے کہ اس کی خرم کی نظروں میں جو تھوڑی بہت قدر تھی' وہ بھی جاتی رہی تھی۔ چہرہ دھوئے کپڑے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ اور پیشانی عرق آلود۔

"میرے خیال میں تو بہتر یہی ہو گا کہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے لیکن پہلے عمیر کو تمہارا یہ عیارانہ روپ بھی دکھا دوں پھر اس کے بعد۔"

انہوں نے عمیر کو بلانے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ ان کے قدموں میں گر کر زارو قطار رونے لگی۔

"نہیں' اب یہ رونا دھونا نہیں چلے گا۔ تم ہمیشہ یونہی رو کر ڈراتی ہو' مجھے نہیں معلوم کہ تم چپکے چپکے اب تک میری کتنی رقم چوری کر چکی ہو۔ تم نے مجھے سخت دھوکا دیا ہے مکار لڑکی! میں تمہیں پولیس کے حوالے کر کے ہی رہوں گا۔"

"ارے بھئی عمیر تم کہاں رہ گئے ذرا ادھر تو آؤ۔"

اور بہت مجبور ہو کر بالآخر اسے بولنا ہی پڑا۔

"نہیں نہیں' کسی کو نہیں بلایئے میں گونگی نہیں

ہوں۔ میں بول سکتی ہوں خرم صاحب! آپ نے مجھ پر بڑی عنایتیں کی ہیں۔ اب خدارا مجھے معاف بھی کردیجئے۔ میں نے آپ کو دھوکا دیا ہے نہ بے وقوف ہی بنایا ہے بلکہ سخت مجبوری کے عالم میں یہ ناٹک کھیلا ہے۔ وہ بھی آپ کے بھائی کے بار بار گونگی کہنے پر اور آپ دونوں کے سوالات سے بچنے کی غرض سے۔" وہ قدموں پر جھکی تھی اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں یہ تو مجھے کل ہی معلوم ہوگیا تھا کہ تم گونگی نہیں ہو۔ میں نے فون پر تمہاری ساری گفتگو سن لی تھی اور تم نے اسی لیے ہمارے سوالوں سے بچنے کے لیے گونگی کا روپ دھارا تھا تاکہ میں تمہارے کرتوتوں کا پتا نہ چل سکے مگر تم نے اتنا غلط اقدام کیوں اٹھایا تمہاری ہمت کیسے ہوئی گھر سے بھاگ نکلنے کی؟ تمہیں ذرا بھی غیرت نہ آئی کیا شریف لڑکیوں کا یہی وتیرہ ہوتا ہے کہ اپنے گھروں سے فرار ہو کر اپنے والدین اور خاندان والوں کی ناک کٹوادیں یہ تو تمہارے لیے بڑے شرم کی بات ہے۔

خرم نے اتنی حقارت سے اس پر ملامت کے ڈونگرے برسائے کہ اس کے اشکوں کے پیالے ایک بار پھر بری طرح چھلک پڑے۔

"مگر، مگر میں کیا کرتی، میری سوتیلی ماں نے اپنے ایک جاہل اوباش اور عیاش بھانجے کے ساتھ میری شادی طے کردی تھی۔ جس کی پہلے سے چار بیویاں اور ڈھیر سارے بچے تھے۔ اور جو ایک بڑا زمیندار ہے۔ مجھے یہ رشتہ کسی قیمت پر بھی منظور نہ تھا۔ میری پھوپھی اور اس کے چار بندے میرا نکاح پڑھوانے مجھے زبردستی گاؤں لے جارہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ ٹائروں میں ہوا بھروانے کے لیے پک اپ رکی تو میں موقع پاکر پک اپ سے اتری اور ایک سمت دوڑ پڑی۔ وہ جھٹپٹے کا وقت تھا۔ تھوڑی دیر بعد بارش شروع ہوگئی۔ اور میں کئی گھنٹے نہ معلوم کہاں کہاں بھٹکتی رہی۔ تب جاکر بجلی کی چمک میں وہ گھر نظر آیا۔ میں مانتی ہوں کہ میں نے پک اپ سے اتر کر بہت غلط قدم اٹھایا۔ مگر میں برے کردار کی لڑکی نہیں ہوں۔ میں نے تو کالج کے زمانے میں بھی کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا اور اگر میں آپ کو حقیقت سے آگاہ کرتی تو آپ بھی میری باتوں پر یقین نہیں کرتے۔"

"ہوں۔ مگر مجھے گھر سے فرار ہونے والی لڑکیاں بالکل پسند نہیں مگر تمہارا معاملہ یکسر جداگانہ ہے۔ تب اس وقت نہ سہی اس وقت تمہاری باتوں کا اعتبار کرلیا ہے۔ اور تمہیں اپنے دل میں بھی جگہ دے دی ہے۔" خرم کا لہجہ یکلخت نرم پڑ گیا۔

"جی۔؟" اس نے چونک کر بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ ہم تو تمہیں دیکھتے ہی تم پر لٹو ہوگئے تھے۔ مگر ہماری عادت نہیں ہے اپنے جذبات کسی پر عیاں کرنے کی۔ اور ہمیں اب نہیں پہلے ہی یقین تھا کہ آپ گونگی نہیں ہیں۔"

"اچھا۔ علم ہونے کے باوجود بھی آپ میرا آپریشن کرانے پر تلے ہوئے تھے؟۔" شفق نے اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھ کر پوچھا کہ اسے ان کی باتوں پر کسی طرح یقین ہی نہیں آرہا تھا۔

"وہ تو ایک طریقہ تھا تم سے تمہاری دھوکا دہی کا انتقام لینے کا۔ اور کسی طرح زبان کھلوانے کا۔ خیر اب تم کہیں نہیں جاؤگی۔ مجھے تمہاری عادت پڑ گئی ہے نا۔ اب میں تمہیں اپنے پاس ہی رکھوں گا مگر اطمینان رکھو باضابطہ طور پر۔"

خرم اس کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولے مگر وہ نگاہیں کترا کر بولی۔

"لیکن۔۔۔ لیکن کہاں آپ اور کہاں میں۔ میں تو اپنی عزت بھی خاک میں ملا چکی ہوں۔ اور پھر وہ۔۔۔ وہ امی جان ان سے تو آپ نے مجھے کسی اور روپ میں ملوایا تھا۔"

"اچھا تو کیا تم ان سے اسی روپ میں ملنا چاہتی ہو۔" خرم نے تیکھے سے لہجے میں پوچھا۔

"اف نہیں نہیں، خدا نہ کرے، میں تو اس وقت بھی سخت خلاف تھی۔ وہ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ بلکہ آپ کے اور آپ کی والدہ کے اونچے آدرش۔"

"اور بس۔۔۔ شادی مجھے کرنی ہے امی جان کو نہیں۔

اب میں خواہ کسے بھی پسند کروں یہ میرا نجی معاملہ ہے اور امی جان کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اپنے فیصلوں میں اٹل ہوں رہ گیا امی جان سے تمہیں غلط انداز میں متعارف کرانے کا سوال تو اس کی وضاحت بھی کیا مشکل ہوگی۔ مگر تم ادھر بھی تو دیکھو میری طرف۔ ہاں اب نگاہ ملا کر بات کرو۔ یہ بتاؤ کہ تم نے کیا سوچا ہے۔ یعنی تمہاری کیا مرضی ہے اس شخص کے بارے میں جسے خدا نے فرشتہ بناتے بناتے انسان بنادیا۔ لوشی سے تو تم بڑی آہیں بھر بھر کر کہہ رہی تھیں نا۔"

اف یہ ڈاکٹر خرم کہہ رہے تھے جن سے وہ سخت مرعوب تھی اور جنہیں سخت پتھر دل اور بے حس سمجھتی تھی۔ اس نے بھی چاہا تو بڑی شدت سے تھا مگر کبھی ان کی تمنا نہیں کی تھی۔ وہ خود اس وقت اس کو اپنانے کی تمنا کررہے تھے۔ شفق کو اپنے گرد چھائے اندھیرے اچانک چھٹتے ہوئے لگے اور خوشی کے تابناک اجالوں سے چکا چوند ہوتی اس کی نگاہیں خرم کی وارفتہ نظروں سے ٹکرائیں تو حیا کے آتشیں عکس اس کے صبیح رخساروں پر بکھر گئے۔

"میں خود کو اس قابل تو نہیں سمجھتی مگر یہ آپ کی خواہش ہے تو اس کا احترام میں اپنی جان پر کھیل کر بھی کروں گی۔" اس کا لہجہ احساس ممنونیت سے بوجھل تھا۔

"تم نے کہاں تک تعلیم پائی ہے۔؟" خرم نے اس کی باتوں پر مسکرا کر پوچھا۔

"صرف بی اے آنرز کیا ہے۔ کیوں؟۔"

"کچھ نہیں۔ بس آج سے یہ محسن مری دیوتا، فرشتہ وغیرہ کے تکلفات ختم۔ مجھے یہ فدویانہ انداز بالکل پسند نہیں۔ تمہاری حیثیت یہاں اب کچھ اور ہی ہوگئی ہے تم پڑھی لکھی اور سمجھدار ہو خود سمجھ سکتی ہو۔ انڈر اسٹینڈ۔"

اور وہ ابھی کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ "ہائے" نعرہ سن کر وہ بری طرح چونکے۔ اصل میں عمیر جو کچھ ہی دیر پہلے اندر آیا تھا۔ اسے خرم سے باتیں کرتا دیکھ کر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچا اور ہائے کی آواز کے ساتھ دل پہ ہاتھ رکھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ارے نہیں کیا ہوگیا؟۔" شفق نے عمیر کو آنکھیں پھاڑے منہ کھولے ساکت سامنے دیکھ کر پر تشویش انداز میں خرم سے پوچھا۔

"سکتہ۔ دراصل میں نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا، اب اسے وقت کے وقت معلوم ہوا کہ تم بول بھی سکتی ہو اور اس کے ساتھ ہی بے چارے کے ارمانوں کا خون بھی ہوگیا ہے۔ اس لیے اسے سکتہ ہوگیا ہے۔" خرم نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"ہاں ہاں سکتہ۔ سو فیصد سکتہ۔ یعنی کہ بغیر آپریشن کے ہی سکتہ۔ واہ میاں گھبو، کیسا کانٹا مارا ہے تم نے کہ اپنا تو ڈبہ ہی گول ہوگیا۔"

عمیر نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کچھ اتنے مضحکہ خیز انداز میں آنکھیں گھما کر کہا کہ خرم اور شفق ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔